نضر اللہ امرءًا سمع منا حدیثًا فحفظہ حتی یبلغہ

بانی محدث العصر حافظ زبیر علی زئی رحمہ اللہ

جمادی الثانی ۱۴۳۵ھ
اپریل ۲۰۱۴ء

- یتیم پوتے کی میراث
- سیدنا سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ سے محبت
- حدیث وسنت میں فرق کا اختراعی نظریہ
- ''ڈاکٹر'' اشرف آصف جلالی (بریلوی) اور جھوٹی روایت
- لو آپ اپنے دام میں صیاد آ گیا

حضرو، اٹک: پاکستان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

116

اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِيْثِ

ماہنامہ اشاعة الحدیث حضرو

نضر اللہ امرءًا سمع منا حدیثًا فحفظہ حتی یبلغہ

جلد: 11 | جمادی الثانی ۱۴۳۵ھ اپریل ۲۰۱۴ء | شمارہ: 4

اس شمارے میں

احسن الحدیث .... حافظ ندیم ظہیر 2

اضواء المصابیح .... حافظ زبیر علی زئی رحمہ اللہ 5

توضیح الاحکام .... حافظ زبیر علی زئی رحمہ اللہ 11

اقامتِ صفوف اور .... حافظ زبیر علی زئی رحمہ اللہ 17

سنت کے سائے میں .... حافظ ندیم ظہیر 20

یتیم پوتے کی میراث .... مولانا فاروق اصغر صارم 22

"تناقضات..." پر ایک نظر .... ابو الحسن انبالوی 28

سیدنا سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ سے محبت .... حافظ شیر محمد الاثری 33

حدیث وسنت میں فرق .... حافظ زبیر علی زئی 35

حافظ زبیر علی زئی رحمہ اللہ .... بنت زبیر علی زئی 37

مسئلہ فاتحہ خلف الامام .... محمد زبیر صادق آبادی 41

اشرف آصف جلالی اور جھوٹی روایت .... نوید شوکت 45

لو آپ اپنے دام میں صیاد آ گیا .... ابو الحسن انبالوی 47

قیمت

فی شمارہ: 30 روپے

سالانہ: 500 روپے

مع محصول ڈاک پاکستان

خط کتابت

مکتبة الحدیث

حضرو ضلع اٹک

ناشر حافظ شیر محمد الاثری

0300-5288783

مقامِ اشاعت

مکتبة الحدیث

حضرو ضلع اٹک

برائے رابطہ

0301-8556571

تفسیر سورۂ مائدہ (آیت:۳)

﴿حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِيْرِ وَمَآ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ﴾

''تم پر مردار اور خون اور سور کا گوشت حرام کیا گیا ہے اور وہ جس پر غیر اللہ کا نام پکارا جائے۔'' (المائدة : ۳)

فقہ القرآن:

ا: یہ وہ آیت ہے جسے امام ابن جریر طبری رحمہ اللہ نے ﴿اِلَّا مَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ﴾ کی بہترین تفسیر قرار دیا ہے۔ دیکھئے سورۂ مائدہ، آیت:ا

یعنی یہاں سے ان جانوروں کا ذکر ہو رہا ہے جو حرام ہیں۔

۲: ﴿اَلْمَيْتَةُ﴾ بہیمۃ الانعام میں سے وہ جانور جو خود ہی مر جائے (مردار) یا اسے شرعی طریقے سے ذبح نہ کیا گیا ہو، لیکن مچھلی اور ٹڈی حلال ہے۔

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: '' أُحِلَّتْ لَنَا مَيْتَتَانِ وَ دَمَانِ : الْجَرَادُ وَ الْحِيْتَانِ وَالْكَبِدُ وَ الطِّحَالُ .'' ہمارے لیے دو مردار اور دو خون حلال کیے گئے ہیں وہ ٹڈی و مچھلی اور جگر و تلی ہیں۔

(السنن الکبریٰ للبیهقي ١/ ٢٥٤ وسنده صحیح ، یہ حدیث حکماً مرفوع ہے)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سمندر کے پانی کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا:

((هُوَ الطَّهُوْرُ مَاءُهٗ وَ الْحِلُّ مَيْتَتُهٗ .)) ''وہ پاک کرنے والا ہے اور اس کا مردار حلال ہے۔'' (سنن أبي داود : ٨٣ ، سنن الترمذي : ٦٩ ، سنن النسائي : ٥٩ ، سنن ابن ماجه : ٣٨٦ و سنده صحیح)

۳: ﴿وَالدَّمُ﴾ دم سے مراد دم مسفوح (بہایا ہوا یا بہتا ہوا خون) ہے، جیسا کہ سورۂ انعام (آیت: ۱۴۵) میں مذکور ہے۔ مچھلی اور ٹڈی میں دم مسفوح نہیں ہوتا اور جگر و تلی دم

مسفوح کی تعریف میں نہیں آتے، لہٰذا یہ حلال ہیں اور ان کی حلت پر شریعت میں نص موجود ہے۔

۴: ﴿وَ لَحۡمُ الۡخِنۡزِیۡرِ﴾ امام ابن جریر طبری رحمہ اللہ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے تم پر خنزیر کا گوشت حرام کیا ہے وہ جنگلی ہو یا پالتو... اور سارے کا سارا حرام ہے، اس میں سے کسی چیز کی کوئی تخصیص نہیں ہے۔ (تفسیر طبری ٤/ ٣١٥)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جو شخص نردشیر (چوسر) کھیلے تو گویا اس نے اپنا ہاتھ سُور کے گوشت اور خون سے آلودہ کیا۔'' (صحیح مسلم، : ٢٢٦٠)

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ درج بالا حدیث نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں: جب (خنزیر کے گوشت کو) محض چھونے میں اس قدر نفرت (کا اظہار) ہے تو اسے کھانے پر کس قدر تہدید اور وعید ہوگی؟ (تفسیر ابن کثیر ٢/ ١٣)

۵: ﴿وَ مَاۤ اُہِلَّ لِغَیۡرِ اللّٰہِ﴾ ''وہ (جانور) جس پر غیر اللہ کا نام پکارا جائے۔''

اُہِلَّ: ماضی مجہول واحد مذکر غائب ہے اور ''اِہۡلَالٌ'' سے مراد آواز بلند کرنا ہے، یعنی کسی جانور کو غیر اللہ کے لیے نامزد اور مشہور کر دینا۔

امام قتادہ رحمہ اللہ ﴿وَ مَاۤ اُہِلَّ لِغَیۡرِ اللّٰہِ﴾ کی تفسیر میں فرماتے ہیں: جو (جانور) غیر اللہ کے لیے ذبح کیا جائے اور اس پر (اللہ کا) نام نہ لیا گیا ہو۔

(تفسیر طبری ٢/ ٣٦ وسندہ حسن)

جس جانور کو غیر اللہ کے لیے اس نیت سے نامزد کیا ہو کہ اس سے انھیں غیر اللہ کا قرب حاصل ہوگا، وہ ان سے راضی ہوں گے، ان کی مشکلیں حل اور حاجتیں پوری کر دیں گے، جیسا کہ آج کل بالخصوص برصغیر پاک و ہند میں رائج ہے تو وہ حرام ہے، اگرچہ ذبح کے وقت اس پر اللہ کا نام لیا ہو۔ نیز دیکھئے تفسیر طبری (۲/ ۳۵)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((لَعَنَ اللّٰہُ مَنۡ ذَبَحَ لِغَیۡرِ اللّٰہِ)) ''اس شخص پر اللہ کی لعنت ہے جس نے غیر اللہ کے

لیے (جانور) ذبح کیا۔'' (صحیح مسلم:۱۹۷۸)

پیر محمد کرم شاہ الازہری بریلوی لکھتے ہیں: ''اگر کوئی ذبح کرتے وقت غیر خدا کا نام لے یا کسی غیر خدا کی عبادت کے لیے کسی جانور کی جان تلف کرے تو اس چیز کے حرام ہونے اور ایسا کرنے والے کے مشرک و مرتد ہونے میں کوئی شک نہیں۔''

(ضیاء القرآن ۱/ ۱۱۷)

نیز لکھتے ہیں: ''کئی لوگ کسی ولی کے نام کی نذر مانتے ہیں۔ کیا اس طرح وہ چیز حرام ہو جاتی ہے یا نہیں۔ تو اس کے متعلق مختصراً عرض ہے کہ نذر کے دو معنی ہیں۔ شرعی اور عرفی۔ نذر شرعی عبادت ہے اور عبادت کسی غیر اللہ کے لیے جائز نہیں۔ اس لیے شرعی معنی میں تو نذر اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہے اور اس کے علاوہ کسی اور کی نذر ماننا شرک ہے۔ لیکن عرف عام میں...'' (ضیاء القرآن ۲/ ٦١٢)

تو عرض ہے کہ ''عرفی'' قیل وقال سے کتاب وسنت سے ثابت شرعی نذر کا مفہوم اور حکم تبدیل نہیں ہو سکتا۔ غلام رسول سعید بریلوی لکھتے ہیں:

''اگر کوئی شخص غیر اللہ کی نذر مانے مثلاً یہ کہے کہ اگر فلاں بزرگ نے میرا کام کر دیا تو میں اس بزرگ کے لیے ایک بکرا ذبح کروں گا، سو یہ نذر حرام ہے کیونکہ ''البحر الرائق'' اور فقہ کی دیگر کتابوں میں لکھا ہوا ہے کہ نذر عبادت ہے اور مخلوق کی نذر ماننا حرام ہے اور اگر اس شخص نے اس بزرگ کی تعظیم کے لیے اس بکرے کو ذبح کیا تو فقہاء کی تصریحات مذکورہ کی بناء پر وہ ذبیحہ حرام ہوگا اور '' و ما اهل به لغير الله '' کا مصداق ہوگا۔'' (تبیان القرآن ۱/ ٦٤٦)

نیز سعیدی صاحب لکھتے ہیں:

''ان پڑھ عوام میں جو پیروں، فقیروں کی نذر مشہور ہے، یہ محض جہالت کا نتیجہ ہے۔ کیونکہ نذر عبادت ہے اور غیر اللہ کی عبادت جائز نہیں ہے۔'' (تبیان القرآن ۳/ ۴۹)

تنبیہ: صفحات کی قلت کے پیش نظر آیت: ۳ کا بقیہ ترجمہ وتفسیر آئندہ شمارے (۱۱۷) میں ملاحظہ کریں۔ ان شاء اللہ

فقه الحديث

٤٦٥: وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ أَبِي بَكْرِ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ عَمْرِ و بْنِ حَزْمٍ أَنَّ فِي الْكِتَابِ الَّذِي كَتَبَهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لِعَمْرِ وْ بْنِ حَزْمٍ: اَنْ لَّا يَمَسَّ الْقُرْاٰنَ اِلَّا طَاهِرٌ . رَوَاهُ مَالِكٌ وَالدَّارَقُطْنِيُّ.

عبداللہ بن ابی بکر بن محمد بن عمرو بن حزم سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جو کتاب عمرو بن حزم (رضی اللہ عنہ) کے لیے لکھی تھی، اس میں (یہ بھی تحریر) تھا: ''قرآن کو صرف طاہر ہی چھوئے۔'' اسے مالک نے (الموطأ ۱/۱۹۹ ح ۴۷۰ میں) اور دار قطني (۱/۱۲۱، ۱۲۲) نے روایت کیا ہے۔

تحقیق الحدیث: یہ حدیث حسن ہے۔

فقہ الحدیث:

۱: تقریر اور تحریر دونوں طرح سے فریضۂ تبلیغ سرانجام دینا چاہیے، کیونکہ نبی کریم ﷺ تقریر کے ساتھ ساتھ تحریراً بھی تبلیغ فرماتے تھے، جیسا کہ اس حدیث سے واضح ہے۔

۲: حدیث لکھنا جائز ہے اور یہ سلسلہ عہد نبوت سے جاری ہے۔ صحیح مسلم (۳۰۰۴) کی جس روایت میں قرآن مجید کے علاوہ لکھنے سے ممانعت کا حکم آیا ہے وہ متعدد دلائل کی رُو سے منسوخ ہے۔ مزید دیکھئے الناسخ والمنسوخ لأبی حامد الرازي (ص ۲۷، ۲۸) الناسخ والمنسوخ لإبن شاهين (ص ۵۷۸ ح ۶۱۹) اور الباعث الحثيث (۲/ ۳۸۰) وغیرہ

۳: قرآن مجید کی عظمت کا بیان کہ اسے ہر قسم کی نجاست سے پاک شخص ہی چھوئے۔

۴: یہ حدیث جمہور اہل علم کی دلیل ہے کہ جنبی، حائضہ اور بے وضو افراد قرآن مجید نہیں چھو سکتے۔ امام بغوی رحمہ اللہ (متوفی ۵۱۶ھ) نے فرمایا: ''اکثر اہل علم کا اسی پر عمل ہے کہ

بے وضو شخص یا جنبی کے لیے قرآن پکڑنا اور چھونا جائز نہیں ہے۔'' (شرح السنة ١/ ٣٦٣)

۵: امام مالک رحمہ اللہ (متوفی ۱۷۹ھ) نے فرمایا: ''بے وضو قرآن مجید کو چھونا اس لیے مکروہ نہیں کہ اسے پکڑنے والے کے ہاتھ میں کوئی چیز (نجاست) ہوگی جس سے وہ آلودہ ہو جائے گا، بلکہ قرآن مجید کی تکریم و تعظیم کی وجہ سے اسے بے وضو پکڑنا مکروہ قرار دیا گیا ہے۔'' (الموطأ: ٤٧٠)

۶: حافظ ابن عبدالبر رحمہ اللہ (متوفی ۴۶۳ھ) نے درج بالا حدیث نقل کرنے کے بعد فرمایا: ''اس مسئلے میں فقہائے مدینہ، عراق اور شام میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ قرآن کو صرف حالتِ وضو ہی میں چھوا جائے گا۔'' (التمهيد ٨/ ٢٧١ و نسخة أخرى ٦/ ٨)

۷: مصعب بن سعد بن ابی وقاص رحمہ اللہ کا بیان ہے، میں (اکثر) سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے لیے قرآن کو پکڑے رکھتا (اور وہ پڑھتے رہتے تھے، ایک دن) میں نے کھجایا تو سعد رضی اللہ عنہ نے فرمایا: شاید تو نے اپنے ذکر (شرم گاہ) کو چھوا ہے؟ میں نے عرض کیا: جی ہاں، انھوں نے فرمایا: اٹھ اور وضو کر۔ چنانچہ میں نے اٹھ کر وضو کیا، پھر واپس آیا۔

(موطأ إمام مالك : ٨٩ وسنده صحيح)

امام بیہقی رحمہ اللہ (متوفی ۴۵۸ھ) نے اس اثر پر درج ذیل باب قائم کیا ہے:

''بَابُ نَهْيِ الْمُحْدِثِ عَنْ مَسِّ الْمُصْحَفِ'' یعنی بے وضو شخص کو قرآن چھونے کی ممانعت۔ (السنن الكبرىٰ ١/ ٨٨)

۸: سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: قرآن کو صرف طاہر ہی چھوئے۔

(مصنف ابن ابی شيبة ٢/ ٣٦١ ح ٧٥٠٦ وسنده صحيح)

الاوسط لابن المنذر (۲/۲۲۴) میں ''مُتَوَضِّیءٌ'' کے الفاظ ہیں، یعنی قرآن کو صرف باوضو شخص چھوئے۔

۹: امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ (متوفی ۲۴۱ھ) نے فرمایا: قرآن کو صرف طاہر ہی چھوئے۔ اگر کوئی وضو کے بغیر قرآن پڑھنا چاہے (پھر بھی) اسے نہ چھوئے اور عود (لکڑی)

یا کسی چیز سے صفحہ پلٹے۔ (مسائل أحمد بن حنبل بروایة صالح ۳/ ۲۰۸ ، رقم: ۱٦٦٧)

۱۰: حکم بن عتیبہ اور حماد بن ابی سلیمان رحمہما اللہ نے فرمایا: جب قرآن مجید کپڑے (یا غلاف) میں ہو تو اسے بغیر وضو چھونے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

(المصاحف لإبن أبي داود: ۷۵۹ وسنده حسن)

۱۱: شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ (مجموع الفتاویٰ ۲۱/ ۲۶۶) علامہ ابن رجب (فتح الباری ۱/۴۰۴) اور ابن قدامہ المقدسی (المغنی ۱/۲۰۲) کے نزدیک صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں اس مسئلے میں کہ "قرآن مجید کو صرف طاہر چھوئے" کوئی مخالفت معروف نہیں ہے۔

۱۲: فقیہ العصر الشیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ نے فرمایا: غور وفکر کے بعد مجھ پر واضح ہوا کہ طاہر سے مراد حدث اصغر (بے وضو) اور حدث اکبر (جنابت وغیرہ) سے پاک ہونا ہے۔ (شرح موطأ إمام مالك ۲/ ٦٠)

۱۳: جو لوگ وضو کے بغیر قرآن مجید چھونے کے قائل ہیں ان کے نزدیک بھی افضل و بہتر یہی ہے کہ باوضو ہو کر قرآن مجید چھوا جائے۔

دیکھئے الفائض لأبي عبد الرحمن الإرياني (ص ۱۱۱) وغیرہ، لہٰذا افضل و بہتر ہی کو ترجیح حاصل ہے اور اسی پر عمل پیرا ہونا چاہیے۔

۱۴: قرآن مجید پکڑے بغیر بے وضو تلاوت قرآن جائز ہے۔ محمد بن سیرین رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ لوگوں میں (بیٹھے) تھے اور وہ قرآن پڑھ رہے تھے۔ آپ قضائے حاجت کے لیے گئے، پھر واپس آ کر قرآن مجید پڑھنے لگے۔ ایک شخص نے کہا: اے امیر المومنین! آپ بغیر وضو کے تلاوت کر رہے ہیں؟ عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اس (سے منع) کا فتویٰ کس نے دیا ہے۔ کیا مسیلمہ نے؟ (موطأ إمام مالك: ٤٧١ وسنده منقطع ، التاريخ الكبير للبخاري ۱/ ٤٣٧ وسنده صحيح)

۱۵: حافظ عبدالمنان نور پوری رحمہ اللہ نے فرمایا:

"جنبی اور حائضہ طاہر نہیں نتیجہ ظاہر ہے کہ دونوں قرآن مجید کو چھو نہیں سکتے جب چھو نہیں

سکتے تو پکڑ بھی نہیں سکتے۔“ (احکام ومسائل ۱/ ۹۷)

فائدہ:

آیت: ﴿لَّا يَمَسُّهٗٓ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ﴾ ”اسے کوئی ہاتھ نہیں لگاتا مگر جو بہت پاک کئے ہوئے ہیں“ (الواقعة ٥٦/ ٧٩)

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ﴿الْمُطَهَّرُوْنَ﴾ سے مراد فرشتے ہیں۔

(احكام القرآن للطحاوي ١/ ١١٧ ، وسنده صحيح)

حافظ ابن القیم رحمہ اللہ نے فرمایا: میں نے شیخ الاسلام (ابن تیمیہ رحمہ اللہ) سے سنا: آپ اس آیت سے یہ استدلال کرتے تھے کہ ”بے وضو شخص قرآن مجید نہ چھوئے۔ انھوں نے فرمایا: اس میں تنبیہ اور اشارہ ہے کہ جب قرآن آسمان پر تھا تو اسے مطہرون (فرشتے) ہی چھوتے تھے، اسی طرح (اب) وہ قرآن ہمارے پاس ہے تو اسے طاہر ہی چھوئے اور حدیث اس آیت سے مشتق ہے۔“ (التبیان فی اقسام القرآن ۱/ ۴۰۲)

تقریباً اسی مفہوم کی بحث علامہ ابو عبداللہ الحسین بن حسن الحلیمی (متوفی ۴۰۳ھ) نے المنہاج (۲/ ۲۲۸) میں کی ہے، نیز دیکھئے شعب الایمان للبیہقی (۳/ ۴۴۵)

فضیلۃ الشیخ عبدالرحمٰن بن ناصر السعدی رحمہ اللہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں: ”یعنی قرآن کریم کو صرف ملائکہ ہی چھوتے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے تمام آفات، گناہوں اور عیوب سے پاک کیا ہے۔ جب قرآن کو پاک ہستیوں کے سوا کوئی نہیں چھوتا اور ناپاک اور شیاطین اس کو چھو نہیں سکتے تو آیت کریمہ تنبیہاً اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ پاک شخص کے سوا کسی کے لیے قرآن کو چھونا جائز نہیں۔“ (تفسیر السعدی ۳/ ۲۶۹۳، طبع دارالسلام)

٤٦٦: وَعَنْ نَافِعٍ قَالَ: انْطَلَقْتُ مَعَ ابْنِ عُمَرَ فِيْ حَاجَةٍ ، فَقَضَى ابْنُ عُمَرَ حَاجَتَهُ ، وَكَانَ مِنْ حَدِيْثِهِ يَوْمَئِذٍ أَنْ قَالَ: مَرَّ رَجُلٌ فِيْ سِكَّةٍ مِنَ السِّكَكِ ، فَلَقِيَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ وَقَدْ خَرَجَ مِنْ غَائِطٍ أَوْ بَوْلٍ ، فَسَلَّمَ عَلَيْهِ ، فَلَمْ يَرُدَّ عَلَيْهِ ، حَتّٰى إِذَا كَادَ الرَّجُلُ أَنْ يَتَوَارَى فِي السِّكَّةِ ،

ضَرَبَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ بِيَدَيْهِ عَلَى الْحَآئِطِ وَ مَسَحَ بِهِمَا وَجْهَهٗ، ثُمَّ ضَرَبَ ضَرْبَةً ، فَمَسَحَ ذِرَاعَيْهِ، ثُمَّ رَدَّ عَلَى الرَّجُلِ السَّلَامَ، وَقَالَ: ((**إِنَّهٗ لَمْ يَمْنَعْنِي أَنْ اَرُدَّ عَلَيْكَ السَّلَامَ إِلَّا أَنِّي لَمْ أَكُنْ عَلٰى طُهْرٍ.**))

رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ.

نافع بیان کرتے ہیں کہ میں ایک کام کے لیے ابن عمر (رضی اللہ عنہ) کے ساتھ گیا تو ابن عمر (رضی اللہ عنہ) نے اپنا کام پورا کرلیا۔اس دن ان کی باتوں میں سے ایک یہ تھی کہ کسی گلی میں ایک آدمی گزرا تو وہ رسول اللہ ﷺ سے ملا، جبکہ آپ پیشاب یا پاخانے سے فارغ ہوکر آئے تھے۔اس نے آپ کو سلام کہا لیکن آپ نے جواب نہ دیا حتیٰ کہ جب وہ آدمی گلی میں آنکھوں سے اوجھل ہونے کے قریب ہوا تو رسول اللہ ﷺ نے اپنے دونوں ہاتھ دیوار پر مارے اور انھیں اپنے چہرے پر پھیرا، پھر دوبارہ ہاتھ مارے اور اپنی کلائیوں پر پھیرے، پھر اس آدمی کے سلام کا جواب دیا اور فرمایا: ”تیرے سلام کا جواب نہ دینے کی صرف یہی وجہ تھی کہ میں طاہر نہ تھا۔“ اسے ابوداود (۳۳۰) نے روایت کیا ہے۔

تحقیق الحدیث: اس روایت کی سند ضعیف ہے۔

محمد بن ثابت العبدی ضعیف راوی ہے، اسے جمہور نے ضعیف قرار دیا ہے، نیز یہ خبر منکر ہے۔

۴۶۷: وَعَنِ الْمُهَاجِرِ بْنِ قُنْفُذٍ أَنَّهٗ أَتَى النَّبِيَّ ﷺ وَهُوَ يَبُوْلُ، فَسَلَّمَ عَلَيْهِ، فَلَمْ يَرُدَّ عَلَيْهِ حَتّٰى تَوَضَّأَ ثُمَّ اعْتَذَرَ إِلَيْهِ، وَقَالَ: ((**إِنِّي كَرِهْتُ أَنْ أَذْكُرَ اللّٰهَ إِلَّا عَلٰى طُهْرٍ.**)) رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ، وَرَوَى النَّسَائِيُّ اِلٰى قَوْلِهٖ: حَتّٰى تَوَضَّأَ وَقَالَ: فَلَمَّا تَوَضَّأَ رَدَّ عَلَيْهِ.

مہاجر بن قنفذ (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ وہ نبی ﷺ کے پاس آئے، جبکہ آپ پیشاب کر رہے تھے۔انھوں نے سلام کیا تو آپ نے جواب نہ دیا حتیٰ کہ آپ نے وضو کیا (تو جواب دیا) پھر آپ نے اس سے معذرت کی اور فرمایا: ”میں نے ناپسند کیا کہ میں طہارت بغیر اللہ کا ذکر کروں۔“ اسے ابوداود (۱۷) نے روایت کیا اور نسائی (۳۸) نے ”حتیٰ توضأ“

تک بیان کیا اور (معذرت کا ذکر کیے بغیر) کہا: آپ نے جب وضو کیا تو اسے جواب دیا۔

تحقیق الحدیث: اس روایت کی سند ضعیف ہے۔

اسے ابن ماجہ (۳۵۰) نے بھی روایت کیا ہے۔ ابن خزیمہ (۲۰۶) ابن حبان (الموارد: ۱۸۹) اور حاکم (۱/ ۱۶۷، ۳/ ۴۷۹) نے صحیح کہا اور ذہبی نے ان کی موافقت کی ہے۔

تنبیہ: قضائے حاجت کے وقت سلام کا جواب نہ دینے کے بارے میں صحیح حدیث کے لیے دیکھئے صحیح مسلم (۳۷۰)

اہلِ بدعت کا احترام اور لمحۂ فکریہ

ابوالولید الباجی (متوفی ۴۷۴ھ) نے اپنی کتاب ''اختصار فرق الفقہاء'' میں لکھا ہے: مجھے شیخ ابوذر (عبد بن احمد الہروی) نے بتایا، اور وہ اس (قاضی ابوبکر ابن الباقلانی) کے مذہب پر تھا: میں بغداد میں حافظ دارقطنی (امام علی بن عمر الدارقطنی رحمہ اللہ) کے ساتھ پیدل جا رہا تھا کہ ہماری ابوبکر ابن الطیب (الباقلانی) سے ملاقات ہوگئی تو شیخ ابوالحسن (امام دارقطنی) نے اُس سے معانقہ کیا اور اُس کی پیشانی کا بوسہ لیا۔ جب ہم جدا ہوئے تو میں نے پوچھا: یہ کون آدمی تھا جس کے ساتھ آپ نے یہ (احترام والا) معاملہ کیا ہے؟ میں نہیں سمجھتا کہ آپ ایسا کرنے والے تھے اور آپ وقت کے امام ہیں؟ تو انھوں نے فرمایا: یہ مسلمانوں کا امام اور دین کا دفاع کرنے والے ہیں، یہ قاضی ابوبکر محمد بن الطیب ہیں۔ ابوذر (الہروی) نے کہا: میں اس وقت سے اپنے والد کے ساتھ اُن (باقلانی) کے پاس جانے لگا۔ الخ (سیر اعلام النبلاء ج ۱۷ ص ۵۵۸)

یہ ہے وہ سبب جس کی وجہ سے ابوذر الہروی، اشعری فرقے میں داخل ہوگئے اور محدثین کے مسلک کو خیر باد کہہ دیا۔ باقلانی اپنی ساری خوبیوں اور بہترین مناظروں کے باوجود اشعری العقیدہ تھے۔ جب امام دارقطنی جو کہ اہلِ سنت کے بہت بڑے امام تھے، نے باقلانی کا یہ احترام کیا تو اُن کے شاگرد اشعری بن گئے۔ إنا للّٰہ و إنا إلیہ راجعون.

سوال: محترم حافظ صاحب! کیا اللہ عرش پر ہے؟ اگر ہے تو اس کے دلائل قرآن وحدیث سے واضح کردیں۔ جزاکم اللہ خیراً (ملک عطاء الرحمٰن، درہ، خانپور)

جواب: آپ کے سوال کا جواب ایک مضمون کی صورت میں درج ذیل ہے:

مسئلۃ استواء الرحمٰن علی العرش

قرآن مجید کی روشنی میں:

۱) اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ﴾ ''بے شک تمھارا رب اللہ ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دنوں میں پیدا کیا، پھر عرش پر مستوی ہوا۔'' (سورۃ الأعراف: ٥٤)

(نیز دیکھئے سورۂ یونس: ۳، الرعد: ۲، طٰہٰ: ۵، الفرقان: ۵۹، السجدۃ: ۴، الحدید: ۴، استویٰ کا مطلب ہے ارتفع، علا، یعنی بلند ہوا ہے، دیکھئے صحیح بخاری کتاب التوحید اور تحقیقی مقالات ۱/۱۳، ۱۴)

۲) ﴿وَّ كَانَ عَرْشُهٗ عَلَی الْمَآءِ﴾ ''اس کا عرش پانی پر تھا۔'' (ھود: ۷)

(نیز دیکھئے التوبۃ: ۱۲۹، الانبیاء: ۲۲، المومنون: ۱۱۶، ۸۶، النمل: ۲۶، المومن: ۷، ۱۵، الزخرف: ۸۲، البروج: ۱۵)

۳) ﴿وَ یَحْمِلُ عَرْشَ رَبِّكَ فَوْقَهُمْ یَوْمَىِٕذٍ ثَمٰنِیَةٌ ﴿۱۷﴾﴾ ''اور اس دن آپ کے رب کا عرش اپنے اوپر اٹھائیں گے آٹھ (فرشتے)'' (الحاقۃ: ۱۷، نیز دیکھئے الزمر: ۷۵)

٤) ﴿ءَاَمِنْتُمْ مَّنْ فِی السَّمَآءِ اَنْ یَّخْسِفَ بِكُمُ الْاَرْضَ فَاِذَا هِیَ تَمُوْرُ ﴿۱۶﴾﴾ ''کیا تم اس سے بے خوف ہو جو آسمان میں (یعنی اوپر) ہے کہ وہ تمھیں زمین میں دھنسا دے، پھر وہ تیزی کے ساتھ ہلنے لگ جائے۔''

(الملک: ۱٦، نیز دیکھئے الملک: ۱۷، القصص: ۳۸، المومن: ۳٦-۳۷، بنی

اسرائیل: ۴۲ ، الأنعام: ۱۸ ، ۶۱ ، النحل : ۵۶ ، البقرۃ : ۱۴۴)

۵) ﴿ وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا ۝۱۵۷ بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ۝۱۵۸ ﴾

''اورانھوں نے یقیناً اسے قتل نہیں کیا (یعنی عیسیٰ علیہ السلام کو) بلکہ اللہ نے اسے اپنی طرف اٹھالیا اوراللہ غالب حکمت والا ہے۔'' (النساء: ۱۵۷۔۱۵۸ ، نیز دیکھئے آل عمران: ۵۵ ، اس پر امت کا اجماع ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام آسمان پر اٹھالیے گئے تھے اور وہ آسمان میں زندہ ہیں۔ آسمان سے اتریں گے اور دجال کو قتل کردیں گے۔ دیکھئے تحقیقی مقالات ۱/ ۸۷)

۶) ﴿ يُدَبِّرُ الْاَمْرَ مِنَ السَّمَآءِ اِلَى الْاَرْضِ ثُمَّ يَعْرُجُ اِلَيْهِ فِيْ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗٓ اَلْفَ سَنَةٍ ﴾ ''آسمان سے زمین تک تدبیرِ امور کرتا ہے، پھر وہ (امر) اس کی طرف چڑھتا ہے ایک دن میں (کہ) جس کی مقدار ہزار سال ہے۔'' (السجدۃ: ۵)

۷) ﴿ اِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ يَرْفَعُهٗ ۭ ﴾ ''اسی کی طرف چڑھتی ہیں پاکیزہ باتیں اور صالح عمل وہی اسے (بھی) اوپر اٹھاتا ہے'' (الفاطر: ۱۰)

۸) ﴿ وَّجَآءَ رَبُّكَ وَالْمَلَكُ صَفًّا صَفًّا ۝۲۲ ﴾ ''آپ کا رب آئے گا اور فرشتے صف بہ صف۔'' (الفجر : ۲۲)

۹) ﴿ لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ ۚ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ ﴾ ''اس جیسا کوئی بھی نہیں ہے اور وہ سننے، دیکھنے والا ہے۔'' (الشوریٰ : ۱۱)

احادیث کی روشنی میں:

۱) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((أَيْنَ اللّٰهُ ؟)) اللہ کہاں ہے؟ تو لونڈی نے عرض کیا: ''فِي السَّمَاءِ'' آسمان میں (یعنی آسمانوں سے اوپر) ہے۔ آپ نے فرمایا: ''میں کون ہوں؟'' لونڈی نے کہا: اللہ کے رسول۔ آپ نے فرمایا: ((أَعْتِقْهَا فَإِنَّهَا مُؤْمِنَةٌ)) ''اسے آزاد کردو یہ مومنہ عورت ہے۔'' (صحیح مسلم :۵۳۷ ، کتاب التوحید لابن خزیمۃ ۱/ ۲۷۹ وسندہ صحیح)

۲) جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یوم عرفہ کے خطبہ میں فرمایا: ''کیا میں نے پہنچا دیا ہے؟'' تو صحابہ نے جواب دیا: جی ہاں۔ آپ نے آسمان کی طرف انگلی اٹھائی اور فرمایا: ''اے اللہ! گواہ رہ۔'' (صحیح مسلم ۱/ ۳۹۷ح۱۲۱۸)

۳) عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((الرَّاحِمُوْنَ يَرْحَمُهُمُ الرَّحْمٰنُ، اِرْحَمُوْا مَنْ فِي الْأَرْضِ يَرْحَمُكُمْ مَنْ فِي السَّمَاءِ)) ''رحم کرنے والوں پر رحمٰن رحم فرماتا ہے، تم زمین والوں پر رحم کرو تم پر جو آسمان میں (اوپر) ہے رحم فرمائے گا۔ (رواہ الترمذي ۲ / ۱٤ ، وقال : هذا حديث حسن صحيح، وصححه الحاكم ٤/ ١٥٩ ، ووافقه الذهبي ، وسنده حسن)

٤) ابو سعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((أَلَا تَأْمَنُوْنِيْ وَ أَنَا أَمِيْنُ مَنْ فِي السَّمَاءِ؟ يَأْتِيْنِيْ خَبَرُ السَّمَاءِ صَبَاحًا وَ مَسَاءً.)) ''کیا تم مجھے امین نہیں سمجھتے اور میں اس کا امین ہوں جو آسمان میں ہے۔ میرے پاس صبح و شام آسمان کی خبریں آتی ہیں۔''

(صحیح بخاری ۲/ ٦٢٤ح٤٣٥١ وصحیح مسلم ۱/ ٣٤١ ح ١٠٦٤)

۵) ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''مجھے اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! جو مرد اپنی بیوی کو اپنے بستر پر بلاتا ہے، پھر وہ انکار کر دیتی ہے تو وہ جو آسمان میں ہے اس عورت پر ناراض ہو جاتا ہے جب تک مرد اس سے راضی نہ ہو جائے۔'' (صحیح مسلم ۱/ ٤٦٤ ح١٤٣٦)

٦) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((يَنْزِلُ رَبُّنَا تَبَارَكَ وَ تَعَالٰى كُلَّ لَيْلَةٍ إِلَى السَّمَاءِ الدُّنْيَا...)) ''ہمارا رب تبارک و تعالیٰ ہر رات دنیا کے آسمان پر نازل ہوتا (اترتا) ہے۔''

(موطأ امام مالك ص ١٩٧ ، واللفظ له ، صحيح بخاري ٢/ ١١١٦ح١١٤٥ ، صحیح مسلم ١/ ٢٥٨ح٧٥٨، یہ حدیث متواتر ہے)

۷) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: '' (نیک روح سے) کہا جاتا ہے: ((مَرْحَبًا بِالنَّفْسِ الطَّيِّبَةِ)) پاکیزہ نفس کو خوش آمدید ((فَلَا يَزَالُ يُقَالُ لَهَا ذٰلِكَ حَتّٰى يُنْتَهٰى بِهَا إِلَى السَّمَاءِ

الَّتِي فِيهَا اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ)) اسی طرح کہا جاتا ہے حتیٰ کہ اس روح کو اس آسمان تک پہنچا دیا جاتا ہے جس میں اللہ تعالیٰ ہے۔'' (مسند أحمد ٢/ ٢٦٤ وسنده صحيح)

۸) اور فرمایا: ((إِنَّ اللّٰهَ لَمَّا قَضَى الْخَلْقَ كَتَبَ عِنْدَهُ فَوْقَ عَرْشِهِ إِنَّ رَحْمَتِي سَبَقَتْ غَضَبِي)) ''جب اللہ نے تخلیق پوری کر دی تو اپنے پاس عرش کے اوپر (ایک کتاب میں) لکھ کر رکھ دیا کہ میری رحمت میرے غضب پر غالب ہے۔''

(صحيح بخاري ٢/ ١١٠٤ ح ٧٤٢٢ واللفظ له ، صحيح مسلم ٢/ ٣٥٦ ح ٢٧٥١)

۹) نیز فرمایا: ((يَصْعَقُوْنَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَإِذَا أَنَا بِمُوْسٰى آخِذٌ بِقَائِمَةٍ مِنْ قَوَائِمِ الْعَرْشِ)) ''قیامت کے دن سب بے ہوش ہو جائیں گے (پھر میں سب سے پہلے ہوش میں آؤں گا) تو دیکھوں گا کہ موسیٰ علیہ السلام عرش کے پایوں میں سے ایک پایہ پکڑے کھڑے ہیں (یعنی وہ مجھ سے پہلے ہوش میں آجائیں گے۔)''

(صحيح بخاري ٢/ ١١٠٤ ح ٧٤٢٧ ، واللفظ له ، صحيح مسلم : ٢/ ٢٦٧ ح ٢٣٧٣)

۱۰) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا: ((فَرَجَعَ إِلٰى رَبِّهِ ، فَقَالَ: أَرْسَلْتَنِي إِلٰى عَبْدٍ ...)) ''پھر وہ (موت کا فرشتہ) اپنے رب کی طرف واپس گیا اور کہا: تو نے مجھے اپنے بندے (موسیٰ علیہ السلام) کی طرف بھیجا۔'' (صحيح بخاري : ١٣٣٩ ، ٣٤٠٧، صحيح مسلم :٢٣٧٢)

آثارِ صحابہ

۱) جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہوئے تو امیر المومنین سیدنا ابو بکر الصدیق رضی اللہ عنہ نے خطبہ دیا: جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت کرتا تھا تو وہ جان لے کہ بلا شبہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہو چکے ہیں اور جو اللہ کی عبادت کرتا تھا تو وہ جان لے کہ اللہ آسمان میں زندہ ہے اس پر موت نہیں آئے گی۔

(الرد على الجهميه للدارمي ص ٧٨ وسنده حسن، التاريخ الكبير ١/ ٢٠١-٢٠٢)

۲) ام المومنین سیدہ زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا دوسری ازواج النبی صلی اللہ علیہ وسلم پر فخر کرتے ہوئے فرمایا کرتی تھیں: ''زَوَّجَنِي اللّٰهُ تَعَالٰى مِنْ فَوْقِ سَبْعِ سَمٰوَاتٍ .'' مجھے اللہ تعالیٰ نے

سات آسمانوں کے اوپر سے نبی ﷺ کی بیوی بنایا ہے۔ (صحيح بخاري : ۷٤۲۰)

۳) عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہا: اللہ نے آپ کی برأت سات آسمانوں کے اوپر سے نازل کی ہے۔(طبقات ابن سعد ۸/ ۷۰ و سنده حسن ، و أصله فی صحيح البخاري ۲/ ٦٦٩)

٤) عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: آسمان دنیا اور دوسرے آسمان کے درمیان پانچ سو سال کا فاصلہ ہے اور ہر آسمان کے درمیان پانچ سو سال کا فاصلہ ہے۔ ساتویں آسمان اور کرسی کے درمیان پانچ سو سال کا فاصلہ ہے اور کرسی اور پانی کے درمیان پانچ سو سال کا فاصلہ ہے۔ کرسی پانی کے اوپر ہے اور اللہ کرسی کے اوپر ہے اور وہ تمھارے اعمال جانتا ہے۔

(كتاب التوحيد لابن خزيمة ۱/ ۲٤٤ و سنده حسن)

۵) سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: بے شک اللہ حیا فرماتا ہے جب بندہ اس کی طرف ہاتھ پھیلاتا ہے کہ انھیں خالی لوٹا دے۔

(رواه الحاكم فی المستدرك ۱/ ٤٩٧ وصححه على شرط الشيخين ووافقه الذهبي.

یہ حدیث مرفوعاً بھی صحیح ثابت ہے۔ دیکھئے ابوداود: ۱۴۸۸، الترمذی: ۳۵۵۶، ابن ماجہ: ۳۸۶۵)

٦) ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: اللہ تعالیٰ عرش کے اوپر سے جانتا ہے کہ میں عثمان کے قتل کو پسند نہیں کرتی تھی۔(رواه الدارمي فی الرد على الجهمية ص ۲۷ وقال الالباني: و إسناده صحيح / مختصر العلو ص ۱۰٤)

اس پر صحابہ وتابعین کا اجماع ہے کہ اللہ تعالیٰ سات آسمانوں سے اوپر عرش پر مستوی ہے (جس کی کیفیت ہمیں معلوم نہیں) اس کے خلاف صحابہ وتابعین سے کچھ بھی ثابت نہیں ہے۔

جہمیہ کے شبہات اور ان کے جوابات

بعض لوگ کہتے ہیں: ﴿هُوَ مَعَهُمْ اَيْنَ مَا كَانُوْا﴾ وہ ان کے ساتھ ہے وہ

جہاں بھی ہوں۔(المجادلة :۷)

اسی طرح وہ آیت کہ ہم شاہ رگ سے زیادہ قریب ہیں۔(قٓ : ١٦)

ان آیات کا مفہوم یہ ہے کہ اس معیت کا مفہوم اللہ تعالیٰ کا علم ہے اسی بات پر صحابہ وتابعین کا اجماع ہو چکا ہے۔

(توحید خالص ص ۲۷۶،الرد علی الجہمیہ ص ۱۹،شرح حدیث النزول ص ۴۷)

دوسرے یہ کہ ان آیات میں خود علم کا (نعلم ، یعلم وغیرہ) ذکر ہے۔جو اس بات کی قوی دلیل ہے کہ یہ معیت بالعلم ہے۔

تیسرے یہ کہ دیگر آیات،صحیح احادیث اور اجماع صحابہ ان آیات کے عموم کی تخصیص کرتا ہے۔

یادرہے کہ قرآن وحدیث میں یہ کہیں بھی نہیں ہے کہ اللہ ہر جگہ (اپنی ذات کے ساتھ)موجود ہے۔تعالی اللّٰه عن ذلك علوًا كبيرًا. اور اللہ کے لیے ’’حاضر‘‘ کا لفظ قرآن وحدیث و اجماع سے قطعاً ثابت نہیں ہے۔

عقلی دلائل

۱: لوگ دعا کرتے وقت ہاتھ اوپر اٹھاتے ہیں۔

۲: نبی ﷺ معراج کی رات آسمانوں پر اللہ کے پاس گئے تھے۔

۳: فرشتے آسمانوں سے زمین پر اترتے ہیں اور زمین سے آسمانوں پر جاتے ہیں اور اللہ ان سے اپنے بندوں کے بارے میں سوال کرتا ہے، حالانکہ وہ خود سب سے زیادہ جانتا ہے۔

۴: خالق اپنی مخلوق سے جدا ہے۔

تنبیہ: اس موضوع پر سیر حاصل بحث کے لیے دیکھئے مقالات (۱/۱۳) اور فتاویٰ علمیہ المعروف توضیح الاحکام (۱/ ۲۹ تا ۵۵) وغیرہ

حافظ زبیر علی زئی رحمہ اللہ

اقامتِ صفوف اور انوار خورشید دیوبندی

نماز باجماعت میں صفیں قائم کرنا بڑا اہم مسئلہ ہے جس کا حکم متعدد احادیث صحیحہ میں موجود ہے۔ سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ((أَقِيمُوا صُفُوفَكُمْ فَإِنِّي أَرَاكُمْ مِنْ وَّرَاءِ ظَهْرِي)) وَكَانَ أَحَدُنَا يُلْزِقُ مَنْكِبَهُ بِمَنْكِبِ صَاحِبِهِ وَ قَدَمَهُ بِقَدَمِهِ. ''اپنی صفوں کو قائم کرو، بلاشبہ میں تمھیں اپنی پشت کی طرف سے (بھی) دیکھتا ہوں۔'' اور ہم میں سے ہر شخص یہ کرتا کہ اپنا کندھا اپنے ساتھی کے کندھے سے اور اپنا قدم اس کے قدم سے ملا دیتا۔ (صحیح بخاری: ۷۲۵)

اس صحیح حدیث سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نبی کریم ﷺ کے حکم: ((أَقِيمُوا صُفُوفَكُمْ...)) کی تکمیل میں آپ کے پیچھے صف اس طرح قائم کرتے تھے کہ ہر شخص اپنے ساتھی کے قدم سے قدم اور کندھے سے کندھا ملا دیتا تھا۔ صحابہ کرام کے اس عمل پر نبی ﷺ کا انکار کرنا ثابت نہیں ہے۔

اس صحیح حدیث کو سبوتاژ کرنے کے لیے انوار خورشید دیوبندی ''حدیث اور اہلحدیث'' میں لکھتا ہے: ''کیونکہ ہر شخص جانتا ہے کہ اس طرح سے صفیں درست کرنا کہ گردن سے گردن، کندھے سے کندھا، گھٹنے سے گھٹنا، ٹخنے سے ٹخنہ ملا ہوا ہونا ممکن اور محال ہے''

(ص ۵۱۵ طبع اول وطبع رابع)

انوار صاحب نے مزید لکھا:

''نیز غیر مقلدین کو چاہیے کہ گردن سے گردن بھی ملایا کریں کیونکہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث میں اس کا بھی تذکرہ ہے۔'' (ص ۵۱۹، ایضاً)

سیدنا انس رضی اللہ عنہ کی جس حدیث کا انوار خورشید تذکرہ کر رہا ہے اس میں گردن سے گردن ملانے کا قطعاً کوئی ذکر موجود نہیں، بلکہ احادیث کی کسی کتاب میں ایسی کوئی حدیث

سرے سے موجود نہیں ہے جس میں نمازیوں کو ایک دوسرے کی گردن سے گردن ملانے کا حکم یا عمل مذکور ہو۔

حدیث اور اہلحدیث (ص ۵۰۹۔۵۱۰) میں سیدنا انس رضی اللہ عنہ کی ایک حدیث بحوالہ سنن ابی داود (ج ا ص ۹۷ ح ۶۶۷) درج ہے جس میں لکھا ہوا ہے:

((وَحَاذُوْا بِالْأَعْنَاقِ.)) ''اور گردنوں کو برابر رکھو۔''

اس حدیث میں نمازیوں کو اپنی گردنیں ایک دوسرے کے برابر کرنے کا حکم ہے، ملانے کا حکم نہیں۔ اس حدیث کی تشریح میں خلیل احمد سہارنپوری انبیٹھوی نے لکھا:

" ای لیجعل کل واحد منکم عنقه محاذیة بعنق صاحبه."

یعنی تم میں سے ہر ایک اپنی گردن کو اپنے ساتھی کی گردن کے برابر و مقابل رکھے۔

(بذل المجہود ج ۴ ص ۳۳۴)

انوار خورشید دیوبندی نے کذب بیانی کرتے ہوئے سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے ''گردن سے گردن'' ملانے والی روایت کا انتساب کیا ہے اور صحابہ کے عمل ''اقامت الصفوف'' کا مذاق اڑایا ہے۔

یہ انوار خورشید صاحب وہ ''حضرت'' ہیں کہ حدیث اور اہلحدیث کے پہلے ایڈیشن میں ببانگ دہل لکھا:

''پھر حضرت امام ابوحنیفہ اور امام بخاری رحمہما اللہ دونوں بزرگ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کی اولاد میں سے ہیں'' (ص ۲۳)

جب مشہور محقق مولانا خواجہ محمد قاسم رحمہ اللہ نے اس پر گرفت کرتے ہوئے لکھا:

''یہ بالکل غلط بات ہے اس کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں'' (حدیث اور غیر اہلحدیث ص ۱۳)

تو انوار خورشید نے چپکے سے اس عبارت کو اڑا دیا اور وہاں تین لکیریں ڈال دیں۔

(حدیث اور اہلحدیث ص ۲۳ طبع چہارم)

اس قسم کی ''حرکتوں'' سے یہ ''حضرات'' اپنے سادہ لوح عوام کو داعیانِ کتاب وسنت

کی دعوت سننے سے روکنے کی کوشش کرتے ہیں۔

یہاں بطورِ فائدہ عرض ہے کہ جناب حسین احمد ٹانڈوی نے بھی امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کو ''سلمان فارسی کی اولاد میں سے'' لکھا ہے۔

(تقریر ترمذی ص ۳۴ طبع دوم، کتب خانہ مجیدیہ ملتان)

انوارخورشید دیوبندی اینڈ کمپنی کی خدمت میں عرض ہے کہ آپ کہاں کہاں سے اپنے اکاذیب کاٹنے کی کوشش کریں گے؟

''حدیث اور اہلحدیث'' کی اس بحث میں ایک دلچسپ پہلو یہ ہے کہ صاحبِ کتاب نے عنوان تو ''...کندھے سے کندھا ملانا سنت ہے نہ کہ قدم سے قدم ملانا'' لکھا ہے اور حدیث سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے نقل کی ہے کہ ''ہم میں سے ہر شخص یہ کرتا کہ...اپنا قدم اس کے قدم سے ملا دیتا'' (ص ۵۰۹) بلکہ سیدنا انس رضی اللہ عنہ کا فتویٰ نقل کیا ہے:
''یعنی اگر میں آج کسی کے ساتھ اس طرح کروں تو وہ بدکے ہوئے خچر کی طرح بھاگے'' (ص ۵۱۵) یعنی جو لوگ صفیں قائم کرتے وقت قدم نہیں ملاتے وہ سیدنا انس رضی اللہ عنہ کے نزدیک بدکے ہوئے خچر کی مانند ہیں۔ وَ مَاعَلَيْنَا إِلَّا الْبَلَاغُ

انبیاء سب بشر تھے

مفتی محمد خلیل خان برکاتی بریلوی نے لکھا: ''انبیاء سب بشر تھے، اس میں کیا حکمت ہے؟ اللہ تعالیٰ کی یہ بھی بڑی حکمت اور رحمت ہے کہ وہ اپنا نبی و رسول بنی نوعِ بشر سے منتخب فرماتا ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ فرشتوں میں سے یا کسی دوسری مخلوق میں سے ہمارے لیے رسول بھیجتا تو وہ ہماری عادات و خصائل سے واقف نہ ہوتا، نہ اس کو ہم پر وہ شفقت ہوتی جو ایک ہم جنس کو دوسرے ہم جنس سے ہوتی ہے، دوسرا اس کی طرف ہمارا میلان طبعی نہ ہوتا نہ اس کی باتوں میں ہم اس کی پیروی کر سکتے اور نہ ہماری کمزوریوں کا اُسے احساس ہوتا۔'' (ہمارا اسلام، حصہ چہارم ص ۱۵۷۔ ۱۵۸)

از قلم: حافظ زبیر علی زئی رحمہ اللہ
ترجمہ: حافظ ندیم ظہیر

سنت کے سائے میں

مصاحبت اور مال کے اعتبار سے نبی ﷺ پر لوگوں میں سب سے زیادہ احسان، ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ہیں

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ : أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ جَلَسَ عَلَى الْمِنْبَرِ فَقَالَ: ((**إِنَّ عَبْدًا خَيَّرَهُ اللّٰهُ بَيْنَ أَنْ يُؤْتِيَهُ مِنْ زَهْرَةِ الدُّنْيَا مَا شَاءَ وَ بَيْنَ مَا عِنْدَهُ فَاخْتَارَ مَا عِنْدَهُ .**)) فَبَكَى أَبُوْ بَكْرٍ وَ قَالَ : فَدَيْنَاكَ بِآبَائِنَا وَ أُمَّهَاتِنَا ، فَعَجِبْنَا لَهُ وَ قَالَ النَّاسُ: انْظُرُوْا إِلَى هٰذَا الشَّيْخِ ، يُخْبِرُ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عَنْ عَبْدٍ خَيَّرَهُ اللّٰهُ بَيْنَ أَنْ يُؤْتِيَهُ مِنْ زَهْرَةِ الدُّنْيَا وَ بَيْنَ مَا عِنْدَهُ ، وَ هُوَ يَقُوْلُ : فَدَيْنَاكَ بِآبَائِنَا وَ أُمَّهَاتِنَا ، فَكَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ وَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ : ((**إِنَّ مِنْ أَمَنِّ النَّاسِ عَلَيَّ فِي صُحْبَتِهِ وَ مَالِهِ أَبَا بَكْرٍ، وَ لَوْ كُنْتُ مُتَّخِذًا خَلِيلًا مِنْ أُمَّتِي لَاتَّخَذْتُ أَبَا بَكْرٍ، إِلَّا خُلَّةَ الْإِسْلَامِ، لَا يَبْقَيَنَّ فِي الْمَسْجِدِ خَوْخَةٌ إِلَّا خَوْخَةُ أَبِي بَكْرٍ .**))

سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ منبر پر بیٹھے اور فرمایا: ''بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے اپنے ایک بندے کو دنیا کی نعمتوں اور جو اس کے پاس (آخرت میں) ہے کے درمیان اختیار دیا تو اس بندے نے (دنیا کی بجائے) جو اللہ تعالیٰ کے پاس ہے، اسے پسند کر لیا۔'' (یہ سن کر سیدنا) ابوبکر (رضی اللہ عنہ) رو پڑے اور عرض کیا: ہمارے ماں باپ آپ پر فدا ہوں۔ (سیدنا ابوسعید رضی اللہ عنہ نے کہا:) ہمیں ان پر تعجب ہوا۔ (بعض) لوگوں نے کہا: اس بزرگ کی طرف دیکھو! رسول اللہ ﷺ ایک بندے کے متعلق بتا رہے ہیں جسے دنیا کی نعمتوں اور جو اللہ کے پاس ہے کے درمیان اختیار دیا تھا اور یہ (بزرگ) کہہ رہے ہیں: ہمارے ماں باپ

آپ پر فدا ہوں۔ پس رسول اللہ ﷺ ہی کو (دنیا اور آخرت کے درمیان) اختیار دیا گیا اور ابو بکر (رضی اللہ عنہ) ہم سب سے زیادہ بڑے عالم تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”بلاشبہ لوگوں میں سب سے زیادہ اپنی مصاحبت اور مال کے ذریعے سے مجھ پر ابو بکر کے احسان ہیں۔ اگر میں اپنی امت میں سے کسی کو اپنا خلیل بنا سکتا تو وہ ابو بکر (رضی اللہ عنہ) کو بناتا، لیکن اسلام کا ناطہ (بھائی چارہ ہی کافی) ہے۔ ابو بکر (رضی اللہ عنہ) کے دروازے کے علاوہ مسجد میں کھلنے والے سب دروازے بند کردیئے جائیں۔“ (صحیح بخاری کتاب مناقب الأنصار باب هجرة النبي ﷺ و أصحابه إلى المدينة ح ٣٩٠٤، صحيح مسلم كتاب فضائل الصحابة باب من فضائل أبي بكر الصديق رضي الله عنه ح ٢٣٨٢ من حديث مالك به.)

فقہ الحدیث:

۱: یہ حدیث اعلام النبوۃ میں سے ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی وفات کی خبر وفات سے کچھ عرصہ پہلے دے دی اور یہ خبر اللہ عزوجل نے آپ کی طرف وحی فرمائی۔

۲: یہ جاننے کے لیے کہ کون بڑا عالم اور فقیہ ہے؟ لوگوں کا امتحان لینا جائز ہے۔

۳: غم و مصائب میں رونا اور اظہارِ افسوس کرنا جائز ہے، لیکن نوحہ اور جاہلیت کی طرح بین ممنوع ہیں۔

۴: سیدنا ابو بکر الصدیق رضی اللہ عنہ کی فضیلت و منقبت کہ آپ صحابہ کرام میں سب سے زیادہ فقیہ، عالم اور افضل تھے۔

۵: خطبہ جمعہ کے علاوہ (منبر پر) بیٹھ کر خطبہ دینا جائز ہے۔

۶: شرعی عذر اور کسی خاص مصلحت کے پیش نظر اوقاتِ نماز کے علاوہ مساجد کے دروازے مقفل کرنے جائز ہیں۔

۷: اس حدیث میں نبی ﷺ کی وفات کے بعد سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت کی طرف اشارہ ہے۔

۸: کسی عذر کی وجہ سے حدیث کا اختصار جائز ہے، بشرطیکہ مختصر اس کے مخالف نہ ہو۔

مولانا استاذ فاروق اصغر صارم رحمہ اللہ

یتیم پوتے کی میراث

یتیم پوتے کی میراث کا مسئلہ بھی قرآن وحدیث اور عقلی دلائل سے ریت میں کندن کی طرح صاف اور واضح ہے لیکن منکرین حدیث خواہ مخواہ اسے الجھانے کی کوشش کرتے ہیں اور کررہے ہیں۔ مقام افسوس ہے کہ ان حضرات کی چرب لسانی اور قلم کی طغیانی سے متاثر ہوکر ۳/ دسمبر ۱۹۵۳ء کو پنجاب اسمبلی میں چوہدری محمد اقبال چیمہ نامی شخص نے بل پیش کرنے کی جسارت کی کہ بیٹے کے ہوتے ہوئے یتیم پوتے کو اور بھائی کے ہوتے ہوئے یتیم بھتیجے کو برابر کی میراث ملنی چاہیے شدید احتجاج کے باوجود بل پاس ہوکر پاکستان کے قانون وراثت کا حصہ بن گیا۔ یہ بل قرآن وحدیث اجماع امت اور عقل سلیم کے بالکل خلاف تھا۔ بعض جدید تعلیم یافتہ اصحاب اس بل سے متاثر ہیں بلکہ اسے درست سمجھتے ہیں، اس لئے ہم اس کے خلاف قرآن وسنت سے چند اہم دلائل پیش کرتے ہیں تاکہ حقیقت حال آشکارہ ہوجائے اور آخر میں منکرین حدیث کے اس مسئلے کے بارے میں چند اہم مغالطات کا جائزہ بھی لیں گے تاکہ ان کی کمزوری ظاہر ہوسکے۔

حقیقت مسئلہ یہ ہے کہ میت کا یتیم پوتا اپنے چچا (جو میت کا حقیقی بیٹا ہے) کی موجودگی میں بالکل محروم ہوجاتا ہے یعنی اسے ترکہ میں سے کچھ نہیں ملتا۔ صورت مسئلہ یوں ہے۔
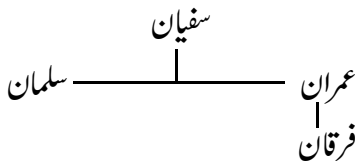
اس صورت مسئلہ میں اگر سفیان کی زندگی میں عمران وفات پاجائے تو پھر سفیان کی موت کے بعد اس کا تمام ترکہ سلمان کو ملے گا جب کہ فرقان محروم ہوگا۔ لیکن منکرین حدیث اور متجددین اس حل سے اختلاف کرتے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ سفیان کے ترکہ میں سے

اس کا یتیم پوتا فرقان اپنے چچا سلمان کے ساتھ برابر کا حصہ دار ہوگا۔ ان کے مغالطات کا تذکرہ ہم آگے چل کر کریں گے۔ اولاً ہم وہ دلائل پیش کرتے ہیں جو یتیم پوتے کو غیر وارث قرار دینے کے حق میں ہیں۔

۱: سورۂ نساء میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ فِيْٓ اَوْلَادِكُمْ ۖ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ﴾

کہ اللہ تعالیٰ تمہیں تمہاری اولاد کے بارے میں حکم دیتا ہے کہ لڑکے کا حصہ دو لڑکیوں کے برابر ہے۔ آیت میں لفظ اولاد جمع ہے "ولد" کی۔ اور ولد دو قسم کے ہیں ایک حقیقی جو بلا واسطہ جنا ہوا ہو یعنی بیٹا، بیٹی دوسرا مجازی جو کسی واسطہ سے جنا ہو یعنی پوتا پوتی وغیرہ جو بیٹوں کی اولاد ہے۔ ہر لغت کا یہ قاعدہ ہے کہ بیک وقت ایک مقام پر حقیقی معنی بیٹا بیٹی کا وجود ہوگا تب تک مجازی معنی پوتا پوتی وغیرہ مراد نہیں ہوگا۔ اس طرح ان کا حصہ بھی نہ ہوگا گویا وہ اس لفظ کے تحت آتے ہی نہیں۔ پس آیت شریفہ سے یہ حکم صاف طور پر مترشح ہو رہا ہے کہ حقیقی اولاد یعنی بیٹے کے ہوتے ہوئے مجازی اولاد یعنی پوتا اور پوتی وارث نہیں۔ چاہے وہ زندہ بیٹے سے ہوں یا مرے ہوئے بیٹے سے۔

۲: اللہ کا فرمان ہے: ﴿وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ ۗ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ﴾ (انفال: ۷۵) کہ اللہ تعالیٰ کی کتاب میں خون کے رشتہ دار ایک دوسرے سے زیادہ حق دار ہیں۔ بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز کو جانتا ہے۔

اس آیت سے اہل قرابت میں الاقرب فالاقرب یعنی رشتہ داروں میں درجہ بندی اور کسی کا قریب اور کسی کا بعید ہونا ثابت ہوتا ہے اور یہ ایک ایسی کھلی حقیقت ہے جس سے صرف نظر ممکن نہیں تو اس درجہ بندی کا تقاضا ہے کہ زیادہ قرابت والا رشتہ دار اپنے سے دور کی قرابت والے کو محروم کر دے۔ لہٰذا بیٹا جو قریب کا ہے وہ دور کی قرابت رکھنے والے پوتے کو لازماً محروم کر دے گا۔

۳: رسول اللہ ﷺ کی حدیث مبارکہ ہے: ((اَلْحِقُوْا الْفَرَائِضَ بِأَهْلِهَا فَمَا بَقِيَ

فَهُوَ لِأَوْلٰی رَجُلٍ ذَکَرٍ.)) اصحاب الفرائض کوان کے حصے دو پھر (ترکہ میں سے) جو بچ جائے (وہ عصبہ میں سے) قریب ترین مرد مذکر کو دو۔

(صحيح بخاري : ٦٧٣٢ ، صحيح مسلم : ١٦١٥)

اس حدیث شریف میں بھی الاقرب فالاقرب کا قاعدہ بیان کیا گیا ہے یعنی قریب والے کے ہوتے ہوئے دور والا محروم ہے، لہٰذا بیٹا (قریب والا) پوتے پوتی (جو دور والے ہیں) کو محروم کر دے گا۔

۴: رسول اللہ ﷺ نے اپنے فیصلہ میں بیٹی کو نصف، پوتی کو چھٹا اور بہن کو (عصبہ مع الغیر کی حیثیت سے) باقی ترکہ (ایک ثلث) دیا (بخاری:۶۷۳۶ و مسلم) اس فیصلہ سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ حقیقی اولاد اور مجازی اولاد میں فرق ہے دونوں یکساں نہیں ہیں۔ تو پھر بیٹا اور پوتا کیسے برابر ہو سکتے ہیں، جبکہ ایک حقیقی بیٹا ہے اور دوسرا مجازی۔ واضح رہے بیٹی کل ترکہ کی مستحق نہ تھی اس لئے پوتی کو سدس دیا جبکہ بیٹا کل مال کا مستحق ہے، اس لئے وہ پوتے کو کلیتاً محروم کر دے گا۔

۵: صحیح البخاری (۲/ ۹۹۷ قبل ح ۶۷۳۵) پر امام بخاری نے علم وراثت کے ماہر اور عظیم صحابی حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کا فتویٰ یوں نقل کیا ہے: قَالَ زَیْدٌ... لَا یَرِثُ وَلَدُ الْإِبْنِ مَعَ الْإِبْنِ کہ پوتا بیٹے کے ساتھ وارث نہیں ہوتا۔ صحابہ میں سے کسی نے بھی اس فتویٰ کی مخالفت نہیں کی۔ علاوہ ازیں ائمہ کرام، محدثین عظام اور فقہاء اسلام کا یہی نقطہ نظر اور مسلک تھا کہ بیٹا پوتے کو بالکل محروم کر دیتا ہے چاہے اس کا باپ زندہ ہو یا فوت ہو۔

پوتے کو غیر وارث قرار دینے میں فائدہ ہے

شریعت اسلامیہ میں یتیم پوتے کو غیر وارث قرار دے کر اس کا بھلا اور فائدہ سوچا گیا ہے۔ وہ اس طرح کہ

۱: دین اسلام میں وصیت اس شخص کے حق میں درست ہوتی ہے جو غیر وارث ہو۔ پوتا

بیٹے کی موجودگی میں وارث نہیں، اس لئے اس کے حق میں وصیت کی راہ کھول دی گئی۔ جو زیادہ سے زیادہ کل مال کی ایک تہائی ہوسکتی ہے۔ یہ رقم ہر بیٹے کو ملنے والے ترکہ سے زیادہ بھی بن سکتی ہے۔ مثلاً ایک شخص چھ ہزار روپے چھوڑ کر مر گیا اس کے پانچ بیٹے تھے جن میں سے ایک بیٹا میت کی زندگی میں ہی ایک لڑکا (میت کا یتیم پوتا) چھوڑ گیا۔ میت نے پوتے کے حق میں ایک ثلث کی وصیت کی تو اسے دو ہزار روپے مل گئے، جبکہ باقی ہر ایک لڑکے کو ایک ایک ہزار روپے ملے۔ الغرض پوتا فائدے میں رہا۔

۲: اگر میت وصیت نہ بھی کرے تو یتیم پوتے کی تعلیم و تربیت اور پرورش کے لیے چچا ولی ہے اور یہ ذمہ داری یتیمی تک ہے۔ ممکن ہے کہ اس دور میں یتیم پوتا اپنے چچا سے اس رقم سے کہیں زیادہ حاصل کر لے جو اس کو وارث قرار دے کر ترکہ سے ملنا تھی۔

۳: یہ لازم نہیں کہ میت مال و متاع چھوڑ جائے بلکہ بسا اوقات میت پر قرض عظیم بوجھ بھی ہوتا ہے، چنانچہ اس قرض کی ادائیگی کی ذمہ داری وارث پر ہے پوتا غیر وارث ہے، لہٰذا وہ ذمہ دار بھی نہیں وہ بچ گیا۔

منکرین حدیث کے مغالطات اور ہمارے جوابات

۱: قرآن کریم کی رو سے ولد سے مراد محض بیٹا ہی نہیں بلکہ پوتا، پڑپوتا سب اس میں داخل ہیں۔ اس لئے اگر عمران فوت ہو چکا ہے تو پھر سفیان کے ترکہ میں سے عمران کا حصہ فرقان کو سلمان کے برابر ضرور ملنا چاہیے۔

جواب: اگر متوفی کا بیٹا اور پوتا دونوں موجود ہوں تو پھر ولد سے مراد محض بیٹا ہی مراد ہوگا، پوتا اس صورت میں داخل ہوگا جب بیٹا موجود نہ ہو یا اسے کوئی مانع لاحق ہو۔ لغت عرب میں اس کی قطعاً گنجائش نہیں کہ بیک وقت ایک طرف سفیان کا حقیقی بیٹا سلمان ولد متصور ہو اور دوسری طرف سفیان کا مجازی بیٹا (پوتا) فرقان بھی ولد میں داخل ہو۔

۲: پوتے کا ترکہ دادا کو ملتا ہے تو دادا کا ترکہ پوتے کو ضرور ملنا چاہیے۔ تعجب ہے کہ دادا تو

اپنے پوتے کا براہ راست رشتہ دار ہوا لیکن وہی پوتا اپنے دادا کا براہ راست رشتہ دار نہ ہو سکا۔

جواب: جب دادا کے ترکہ کا پوتے کو دینے کا سوال ہوگا تو یہ دیکھا جائے گا کہ دادا کا کوئی بیٹا تو موجود نہیں۔ اگر موجود ہے تو ترکہ اسی کو ملے گا۔ پوتے کو نہیں پہنچے گا۔ اسی طرح جب پوتے کا ترکہ دادا کو دینے کا سوال ہوگا تو یہ ضرور دیکھا جائے گا کہ پوتے کا باپ تو موجود نہیں اگر موجود ہے تو ترکہ اسی کو ملے گا دادا کو نہیں پہنچے گا۔ الغرض جس طرح میت کے بیٹے کے ہوتے ہوئے پوتا محروم ہے۔ اسی طرح میت کے باپ کے ہوتے ہوئے دادا محروم ہے۔

۳: پوتا یتیم و بے چارہ ہے، بے کس اور ناتواں ہستی ہے اس لئے تعاون و ہمدردی کا مستحق ہے، اسے محروم قرار دینا سراسر ظلم ہے۔

جواب: **اولاً** اسلام کے قانون وارثت کو رسول اللہ ﷺ نے فریضہ عادلہ فرمایا یعنی اس کی بنیاد میں عدل وانصاف ہے کسی کی محرومی کو ظلم قرار دینا سراسر جہالت اور ظلم ہے۔ **ثانیاً** یہ ضروری نہیں کہ ہر صورت پوتا بے چارہ اور بے کس و ناتواں ہو بلکہ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ دادا کے مرنے کے وقت وہ سن بلوغت کو پہنچ چکا ہو، اس نے خود جائیداد بنالی ہو یا اس کے باپ کی طرف سے مال وافر مل گیا ہو حتیٰ کہ کسی کا محتاج نہ ہو اور اس کے برعکس اس کا چچا (میت کا دوسرا بیٹا) پوتے سے عمر میں کم ہو، مفلوک الحال ہو باپ کی طرف سے ورثہ مل جانے کے باوجود متمول نہ ہو تو کیا ایسی صورت میں قانون بدل دیں گے؟ اگر پوتا واقع میں بے کس اور محتاج ہے تو وصیت سے اس کا مداوا بہتر طور پر ہوسکتا ہے۔ **ثالثاً** اگر بے کسی اور ناتوانی کو ورثہ پانے کا معیار قرار دیا جائے تو بیٹے، پوتے کی موجودگی میں میت کی بہن کو بھی حصہ ملنا چاہیے خصوصاً جب کہ وہ کم عمر ہو یا بیوہ ہو، عیال دار ہو۔ لیکن منکرین حدیث اسے غیر وارث ہی قرار دیتے ہیں۔

۴: امتداد زمانہ سے مسئلہ کی نوعیت بدل گئی ہے، لہٰذا اجتہاد کی ضرورت ہے۔

جواب: شریعت اسلامیہ کا قانون ابدی ہے زیر بحث مسئلہ ایسا نہیں جو بدلتے زمانہ کے

ساتھ بدل جائے پوتا پہلے بھی بیٹے کا بیٹا ہوتا تھا اور آج بھی ہے اور رہے گا۔ بیٹے کا پوتے کی نسبت قریب ترین ہونا ویسا ہی مسلم ہے جیسا کہ گذشتہ زمانہ میں تھا۔ تو اجتہاد کیسا ہے؟

۵: اسلاف محدثین وفقہاء کرام معصوم نہ تھے ان سے غلطی کے سرزد ہونے کا امکان ہے اس لئے ضد نہیں کرنی چاہیے۔

جواب: بات درست ہے لیکن منکرین حدیث اور متجددین حضرات بھی تو معصوم نہیں۔ ان سے بھی غلطی کے سرزد ہونے کا امکان ہے، اس لے انہیں ضد نہیں کرنی چاہیے۔

۶: ایک شخص جو میت سے بالواسطہ قرابت رکھتا ہو، اگر واسطہ کا انتقال ہو جائے تو یہ بالواسطہ قرابت رکھنے والا اب اصل واسطہ کے قائم مقام ہو کر اقرب بن جاتا ہے۔ اس طرح جب یتیم پوتا اپنے باپ کے قائم مقام بن کر میت کے دوسرے بیٹے کی طرح اقرب ہو گیا تب ترکہ میں برابر کا حقدار بھی ہو گیا۔

جواب: الاقرب کا یہ مفہوم سراسر خودساختہ اور غلط ہے۔ یہ تو عام بات ہے کہ جس رشتہ دار کی قرابت میت سے بلاواسطہ ہو وہ اقرب کہلاتا ہے اور جس کا تعلق کسی واسطہ سے ہو وہ ابعد (دور کا) کہلاتا ہے، خواہ یہ واسطہ زندہ ہو یا مردہ۔

الحمد للّٰہ الذي هدانا لهذا و ما کنا لنهتدی لو لا ان هدانا اللّٰہ .

(ماخوذ تفہیم المواریث)

غیب کی چابیاں

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''غیب کی چابیاں پانچ ہیں جنھیں اللہ کے سوا اور کوئی نہیں جانتا: اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا کہ رحمِ مادر میں کیا ہے، اللہ کے سوا اور کوئی نہیں جانتا کہ کل کیا ہوگا، اللہ کے سوا اور کوئی نہیں جانتا کہ بارش کب آئے گی، اللہ کے سوا اور کوئی نہیں جانتا کہ کس جگہ کوئی مرے گا اور اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا کہ قیامت کب قائم کو ہوگی۔ (صحیح بخاری:۴۶۹۷)

ابوالحسن انبالوی

ظہور احمد حضروی کوثری کے ''تناقضات...'' پر ایک نظر

الحمد للّٰہ ربّ العٰلمین والصّلوٰۃ والسّلام علٰی رسولہ الأمین ، أما بعد:

☆ ظہور احمد حضروی لکھتا ہے: ''ابو ہلال محمد بن سلیم راسبی کے بارے میں زبیر علی زئی نے لکھا ہے کہ: یہ حافظے کی وجہ سے ضعیف ہے۔ (تحفۃ الاقویاء ص ۹۸)

لیکن دوسری طرف اس کی روایت سے استدلال کرتے ہوئے لکھ دیا کہ: یہ روایت حسن ہے۔ ابو ہلال محمد بن سلیم الراسبی البصری کے بارے میں راجح یہی ہے کہ وہ حسن الحدیث ہے۔ واللہ اعلم۔ بوصیری حنفی نے زوائد ابن ماجہ میں ابو ہلال کی حدیث کو حسن کہا ہے۔ (کتاب الفتن ، باب سباب المسلم فسوق وقتالہ کفر، ح ۳۹۴) ابو ہلال کی حدیث کو ترمذی نے حسن (ح ۷۰۶) اور ابن خزیمہ (ح ۲۰۴۴) نے صحیح قرار دیا ہے۔ والحمد للہ۔ (حاشیہ جزء رفع الیدین، ص ۵۵)'' (تناقضات... ص ۶۰)

تجزیہ: اس میں کوئی شک نہیں کہ ابو ہلال محمد بن سلیم الراسبی کو محدث العصر حافظ زبیر علی زئی رحمہ اللہ نے ضعیف قرار دیا ہے اور اس کے ضعف میں کوئی دو رائے نہیں ہے۔

شیخ محترم رحمہ اللہ لکھتے ہیں: ''ابو ہلال محمد بن سلیم البصری ضعیف ہے۔

(دیکھئے تحفۃ الاقویاء ص ۹۸ والحدیث حضرو: ۱۶ ص ۱۷)

لیکن سابقہ شاہد کے ساتھ یہ روایت حسن ہے۔ والحمد للہ

تنبیہ: طبعہ اولیٰ میں ابو ہلال کے بارے میں غلطی سے حسن الحدیث وغیرہ کے الفاظ چھپ گئے تھے۔ جن لوگوں کے پاس طبعہ اولیٰ ہے وہ اصلاح کرلیں۔''

(حاشیہ جزء رفع الیدین، ص ۵۵، طبع دوم)

معلوم ہوا کہ ابو ہلال محمد بن سلیم الراسبی کی جس روایت کو حسن قرار دیا گیا ہے وہ شواہد کی بنا پر ہے اور ابو ہلال کو حسن الحدیث غلطی سے لکھا گیا تھا جس سے شیخ محترم رحمہ اللہ نے

اپنی زندگی ہی میں رجوع کر لیا تھا۔

ظہور احمد حضروی رجوع شدہ بات کو تناقض بنانے اور اس کی تشہیر کرنے کی وجہ سے حبیب اللہ ڈیروی دیوبندی کے نزدیک خائن وملبّس ٹھہر چکا ہے۔

ڈیروی دیوبندی نے لکھا: ''کتنی زبردست جسارت ہے اور خیانت وتلبیس ہے کہ جو رسالہ منسوخ ہے اس کا مصنف اس عمل سے رجوع کر چکا ہے اس کی تشہیر کی جارہی ہے

سنی حکایت ہستی تو درمیان سے سنی — نہ ابتداء کی خبر ہے نہ انتہاء معلوم ''

(نور الصباح حصہ دوم ص ۲۴)

ظہور احمد نے اس قدر واضح بات کو تناقض قرار دے کر خیانت وتلبیس کا ارتکاب کیا ہے۔

☆ ظہور احمد مزید لکھتا ہے: ''نیز زبیر علی زئی نے ابو ہلال کی ایک حدیث کو ''صحیح'' بھی قرار دیا ہے۔ (نصر الباری، ص ۲۱۱)'' (تناقضات... ص ۶۱)

تجزیہ: نصر الباری (ص ۲۲۰ ح ۱۸۶) میں ابو ہلال کی روایت کو شواہد کی بنا پر صحیح قرار دیا گیا ہے، لیکن عادت سے مجبور حضرو کے ظہور نے آدھی بات نقل کی ہے تاکہ اپنے ''ذہنی'' تناقض کا ثبوت پیش کر سکے۔

حافظ زبیر علی زئی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: ''((صحیح)) اسے امام مسلم نے محمد بن سیرین کی سند سے بیان کیا ہے جیسا کہ آگے آرہا ہے۔ دیکھئے ح ۱۸۹۔'' (نصر الباری ص ۲۲۱)

اور حدیث (۱۸۹) کے تحت صحیح مسلم (۲/ ۱۰۰ ح ۱۵۴/ ۶۰۲) کی مکمل تخریج کی ہے اور یہ بات عام طالب علم بھی سمجھ سکتا ہے کہ اس حدیث کو صحیح مسلم کے شاہد کی وجہ سے صحیح قرار دیا گیا ہے، لیکن...

آنکھیں ہیں اگر بند تو پھر دن بھی رات ہے
اس میں قصور کیا ہے بھلا آفتاب کا

☆ ظہور احمد حضروی نے لکھا: ''ابو جعفر رازی (عیسیٰ بن ماہان) کی حدیث سے زبیر علی زئی نے استدلال کرتے ہوئے لکھا ہے: ''ابو جعفر حسن الحدیث ہے، اور اسے جمہور نے ثقہ

قرار دیا ہے۔ (الحدیث: ۱۴/۶) جبکہ دوسری طرف اس کی روایت کو ضعیف قرار دیتے ہوئے لکھا ہے: ابو جعفر مختلف فیہ ہے۔ (نصر الباری، ص ۹۹)''

تجزیہ: ظہور احمد کی تحریر کا جواب بترتیب درج ذیل ہے:

۱: ''زبیر علی زئی نے استدلال کرتے ہوئے لکھا'' سے ظہور احمد یہ تاثر دینا چاہتا ہے کہ شیخ محترم رحمہ اللہ نے استدلال کی وجہ سے ابو جعفر الرازی کو حسن الحدیث کہا ہے جو کہ ظہور احمد کی کھلی مکاری اور بازی گری ہے کیونکہ شیخ محترم رحمہ اللہ نے ابو جعفر الرازی کو حسن الحدیث قرار دینے کے باوجود اس روایت سے استدلال نہیں کیا بلکہ دیگر دو علتوں کی وجہ سے اس روایت کو ضعیف ثابت کیا ہے۔ (دیکھئے ماہنامہ الحدیث حضرو، شمارہ ۶ ص ۱۴)

نہ پہنچا ہے نہ پہنچے گا تیری ظلم کیشی کو
بہت سے ہو چکے ہیں گرچہ تم سے ستم گر پہلے

۲: ''جبکہ دوسری طرف اس کی روایت کو ضعیف قرار دیتے ہوئے لکھا ہے: ابو جعفر مختلف فیہ ہے۔'' حسبِ عادت یہاں بھی یہ تاثر دیا جا رہا ہے کہ ابو جعفر کو محض مختلف فیہ قرار دے کر اس کی روایت کو ضعیف کہا، حالانکہ حافظ زبیر علی زئی رحمہ اللہ نے نصر الباری (حدیث: ۴۹ ص ۹۹) کی روایت کو یحییٰ البکاء ضعیف راوی اور انقطاع کی وجہ سے ضعیف قرار دیا ہے۔

مختلف فیہ راوی اور ظفر احمد عثمانی تھانوی دیوبندی

ظہور احمد نے مختلف فیہ راوی کو مطلق ضعیف الحدیث قرار دیا ہے۔ (دیکھئے تناقضات...ص ۶۱)

حالانکہ مختلف فیہ راوی دلائل و قرائن واضح ہونے کے بعد حسن الحدیث بھی ہو سکتا ہے۔ یہ ضروری نہیں کہ وہ ضعیف ہی ہو۔

آلِ دیوبند کے ''علامہ اور محقق'' ظفر احمد عثمانی تھانوی لکھتے ہیں:

''إِذَا کَانَ الرَّاوِيُّ مُخْتَلَفًا فِیهِ وَ ثَّقَهُ بَعْضُهُمْ وَ ضَعَّفَهُ بَعْضُهُمْ ، فَهُوَ حَسَنُ الْحَدِیْثِ'' جب راوی مختلف فیہ ہو، بعض نے اسے ثقہ اور بعض نے ضعیف قرار

دیا ہو تو وہ حسن الحدیث ہے۔ (قواعد فی علوم الحدیث ص۷۲)

ظہور صاحب! بقول تھانوی جب مختلف فیہ راوی حسن الحدیث ہے تو پھر تناقض کا اعتراض چہ معنی دارد؟

ع گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے

ظہور احمد نے مختلف فیہ راوی کو مطلق ضعیف الحدیث کہہ کر اور ظفر احمد تھانوی نے مختلف فیہ راوی کو مطلق حسن الحدیث قرار دے کر آل دیوبند کے تناقضات میں مزید اضافہ کر دیا ہے۔

الغرض! حافظ زبیر علی زئی رحمہ اللہ کے نزدیک ابو جعفر الرازی جمہور کی توثیق واضح ہونے کے بعد حسن الحدیث ہیں۔ والحمد للہ

☆ ظہور احمد لکھتا ہے: ''شریک نخعی رحمہ اللہ ضعیف بھی اور حسن الحدیث بھی شریک بن عبداللہ نخعی رحمہ اللہ کے بارے میں زبیر علی زئی نے امام بخاری رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے کہ یہ کثیر الغلط اور کثیر الوہم ہے۔ (تحفۃ الاقویاء، ص۱۴۵)

تجزیہ: شیخ محترم رحمہ اللہ نے تحفۃ الاقویاء کے آخر میں بطور زیادت امام بخاری رحمہ اللہ کی طرف منسوب قول العلل الکبیر کے حوالے سے نقل کیا تھا اور اسی کتاب کے دوسرے ایڈیشن (طبع ۱۴۳۳ھ) کے صفحہ ۸ پر لکھتے ہیں: "**قلت : كتاب العلل الكبير إلى الإمام الترمذي لم يثبت عنه ، لأنه من رواية أبي حامد التاجر و لم أجد من وثقه**'' جس سے واضح ہو گیا کہ شریک بن عبداللہ القاضی پر امام بخاری کی جرح ثابت نہیں جس کی وضاحت خود شیخ محترم رحمہ اللہ نے اپنی کتاب تحفۃ الاقویاء ہی میں کر دی ہے۔ اگر اسے ظہور صاحب پڑھ لیتے تو یقیناً اپنا ''ذہنی'' تناقض ثابت نہ کر پاتے۔

ع دیدۂ کور کو کیا نظر آئے اور کیا دیکھے

فرض محال اگر امام بخاری رحمہ اللہ کا قول ثابت مان لیا جائے تب بھی یہ تناقض نہیں بنتا کیونکہ شیخ محترم رحمہ اللہ نے فرمایا: ''جمہور نے اس کی توثیق کی ہے۔'' اور اس سے یہ قطعاً

لازم نہیں آتا کہ کسی دوسرے امام نے شریک بن عبداللہ کی تضعیف نہیں کی اور جمہور کی توثیق کی وجہ سے ہی انھیں حسن الحدیث قرار دیا گیا ہے۔ ع

آپ ہی اپنی اداؤں پر ذرا غور کریں ہم اگر عرض کریں گے تو شکایت ہوگی

ظہور احمد حضروی لکھتا ہے: ''نیز اس کی ایک روایت کے بارے میں لکھا ہے: **و فیه شریك ولیث کلاهما ضعیفین من جهة حفظهما .** (نور العینین، ص ۱۴۸)

نور العینین جدید ایڈیشن جو ۱۴۲۷ھ میں طبع ہوا، اس کے مقدمے (ص ۱۲) میں لکھا ہوا ہے: ''واضح رہے کہ اس ایڈیشن میں سابقہ تسامح وغیرہ کی تصحیح اور بعض کی وضاحت بھی کر دی گئی ہے اور بعض جگہ علمی فائدہ جانتے ہوئے تکرار کو بحال رکھا گیا ہے، نیز اب یہی ایڈیشن معتبر ہے۔'' اور جس ایڈیشن کو معتبر قرار دیا گیا ہے اس میں ظہور صاحب کی درج بالا عبارت نہیں ہے، لہٰذا حافظ زبیر علی زئی رحمہ اللہ کا تناقض تو ثابت نہیں ہوا، البتہ بقول ڈیروی دیوبندی منسوخ اور رجوع شدہ باتوں کو تناقض بنانے اور ان کی تشہیر کرنے کی وجہ سے ظہور صاحب خائن و ملبس ضرور ثابت ہو چکے ہیں۔

ظہور احمد حضروی لکھتا ہے: ''نیز لکھا ہے: اس کی سند شریک اور لیث بن ابی سلیم کی وجہ سے ضعیف ہے۔ (حاشیہ جزء رفع الیدین، ص ۴۸)''

شریک بن عبداللہ القاضی حسن الحدیث ہونے کے ساتھ مدلس بھی تھے اور اصول حدیث سے تعلق رکھنے والا ہر شخص جانتا ہے کہ مدلس کی عن والی روایت ضعیف ہوتی ہے تاوقتیکہ سماع کی صراحت معلوم ہو جائے، چونکہ یہاں شریک نے سماع کی صراحت نہیں کی اور روایت عن سے ہے، لہٰذا شریک کی وجہ سے اسے ضعیف کہا، جیسا کہ جزء رفع یدین (ص ۱۰۲، طبع اگست ۲۰۰۳ء) ہی میں شیخ محترم رحمہ اللہ لکھتے ہیں: ''اس کی سند حمید الطّویل کی وجہ سے ضعیف ہے۔'' اور اسماء الرجال سے تعلق رکھنے والے اہل علم جانتے ہیں کہ حمید ثقہ مدلس ہیں اور یہاں روایت کے ضعف کا باعث سماع کی صراحت نہ ہونا ہے، لہٰذا ظہور احمد حضروی کوثری کے تناقض کا یہ اعتراض اس کے دیگر اعتراضات کی طرح باطل ہے۔

حافظ شیر محمد الاثری

سیدنا سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ سے محبت

سیدنا سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ وہ عظیم اور جلیل القدر بدری صحابی ہیں کہ ان کی وفات سے اللہ رب العزت کا عرش ہل گیا تھا۔ سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((اهْتَزَّ عَرْشُ الرَّحْمٰنِ لِمَوْتِ سَعْدِبْنِ مُعَاذٍ.)) ''سعد بن معاذ (رضی اللہ عنہ) کی موت سے رحمٰن کا عرش ہل گیا۔'' (صحیح بخاری: ۳۸۰۳، صحیح مسلم: ۲۴۶۶)

حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے فرمایا: ''عرش کا ہلنا سیدنا سعد رضی اللہ عنہ کی محبت کی وجہ سے ہے۔''

(سیر اعلام النبلاء ۱/ ۲۹۷)

سیدنا براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ریشمی حلہ (جوڑا) تحفہ آیا۔ صحابہ کرام اسے چھونے لگے اور اس کی نرمی پر تعجب (بھی) کرتے۔ آپ نے فرمایا: ((اَتَعْجَبُوْنَ مِنْ لِيْنِ هٰذِهٖ ؟ لَمَنَا دِيْلُ سَعْدِ بْنِ مُعَاذٍ فِي الْجَنَّةِ خَيْرٌ مِنْهَا وَ أَلْيَنُ.)) ''کیا تم اس کی نرمی پر تعجب کرتے ہو؟ جنت میں سعد بن معاذ (رضی اللہ عنہ) کے رومال اس سے بہتر اور اس سے زیادہ نرم (وملائم) ہیں۔'' (صحیح بخاری: ۳۸۰۲، صحیح مسلم: ۲۴۶۸)

نیز آپ نے فرمایا: ''اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جان ہے! جنت میں سعد بن معاذ (رضی اللہ عنہ) کے رومال اس سے زیادہ حسین (وخوبصورت) ہیں۔'' (صحیح مسلم: ۲۴۶۹)

سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک قوم (یہود بنو قریظہ) نے سعد بن معاذ (رضی اللہ عنہ) کو ثالث مان کر ہتھیار ڈال دیئے۔ انھیں بلانے کے لیے ایک آدمی بھیجا اور وہ ایک گدھے پر سوار ہو کر آئے، جب وہ مسجد کے قریب پہنچے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((قُوْمُوْا إِلٰى خَيْرِكُمْ أَوْ سَيِّدِكُمْ)) ''اپنے بہترین شخص یا اپنے سردار کی طرف کھڑے ہو (کر بڑھو)'' پھر آپ نے فرمایا: ''اے سعد! بلاشبہ انھوں نے تمھیں ثالث مان کر ہتھیار ڈال دیے ہیں۔'' (سعد رضی اللہ عنہ نے) فرمایا: پھر میرا فیصلہ یہ ہے کہ ان کی جنگی لوگوں کو قتل کیا جائے اور ان

کی عورتوں اور بچوں کو قیدی بنا لیا جائے۔ نبی ﷺ نے فرمایا: ''تم نے اللہ کے فیصلے کے مطابق فیصلہ کیا ہے یا (فرمایا:) فرشتے کے فیصلے کے مطابق۔'' (صحیح بخاری:۳۸۰۴)

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ جنگ خندق میں زخمی ہو گئے۔ ایک (ابن عرقہ نامی) شخص نے ان کے بازو کی رگ پر نشانہ مارا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کے لیے مسجد میں خیمہ لگوا لیا تاکہ قریب ہی سے ان کی عیادت کرتے رہیں۔

(صحیح بخاری:۴۶۳، ابوداود:۳۱۰۱، واللفظ لہ)

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ سیدنا سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کا زخم خشک ہو کر اچھا ہونے والا تھا کہ انھوں نے دعا کی: اے اللہ! تو جانتا ہے کہ مجھے تیری راہ میں ان لوگوں کے خلاف جہاد کرنے سے زیادہ کوئی چیز پسند نہیں جنھوں نے تیرے رسول ﷺ کو جھٹلایا اور (مکہ سے) نکالا۔ اے اللہ! اگر قریش کی لڑائی ابھی باقی ہے تو مجھے زندہ رکھ، میں ان سے جہاد کروں گا۔ اے اللہ! میں سمجھتا ہوں کہ تو نے ہمارے اور ان کے درمیان لڑائی ختم کر دی ہے۔ اگر اسی طرح ہے تو اس زخم کو کھول (کر تازہ کر) دے اور میری موت اسی میں (شہادت والی) کر۔ پھر وہ زخم (اسی رات) ہنسلی کے مقام سے بہنے لگا۔ مسجد میں ان کے ساتھ بنو غفار کا خیمہ تھا اور خون ان کی طرف بہہ کر آ رہا تھا۔ وہ خوف زدہ ہو کر کہنے لگے: اے خیمہ والو! یہ تمھاری طرف سے ہماری طرف کیا چیز بہہ کر آ رہی ہے؟ جب انھوں نے دیکھا تو سعد رضی اللہ عنہ کا زخم بہہ رہا تھا، پھر وہ اسی میں فوت ہو گئے۔ (صحیح مسلم:۱۷۶۹)

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے (سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی تدفین کے موقع پر) فرمایا: ''یہ شخص جس کے لیے عرش ہل گیا، آسمان کے تمام دروازے اس کے لیے کھول دیے گئے اور اس کے جنازے میں ستر ہزار فرشتے حاضر ہوئے، وہ بھی بھینچ دیا گیا، پھر اسے چھوڑ دیا گیا۔'' (سنن النسائی:۲۰۵۷ وسندہ صحیح)

اے اللہ! ہمارے دلوں کو اپنی، اپنے نبی ﷺ اور ان کے تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی محبت سے بھر دے۔ (آمین)

حافظ زبیر علی زئی رحمہ اللہ

حدیث وسنت میں فرق کا اختراعی نظریہ

سب سے پہلے مرزا قادیانی نے پیش کیا تھا

''الاعتصام'' ۴/ شعبان ۱۴۱۰ھ (ص ۸) میں مولانا حافظ عبدالمنان نورپوری (رحمہ اللہ) کا ایک مضمون چھپا ہے۔

''حدیث وسنت میں فرق کا اختراعی نظریہ''

مولانا صاحب (ص ۱۰) پر یہ ثابت کرنے کے بعد کہ قرآن وسنت (دین) میں اس خودساختہ فرق کی کوئی دلیل نہیں ہے، فرماتے ہیں:

''اگر اصلاحی صاحب اس فرق کو دین کا مسئلہ قرار دینے سے رجوع فرمالیں اور کہیں کہ یہ فرق سلف ومحدثین کی اصطلاح ہے تو پھر ان پر لازم ہے کہ سلف ومحدثین کے وہ اقوال پیش کریں جو اس فرق پر دلالت کرتے ہوں...''

ہمارے خیال میں محدثین کے اقوال پیش کرنا اس شخص کا شیوہ ہے جو محدثین کا خوشہ چین ہو۔ ان کی محیر العقول سیرتوں اور کارناموں کا معترف ہو۔ ایک شخص جو بذاتِ خود ہی ''مزاج شناسِ رسول'' ہے۔ اسے کسی کے اقوال پیش کرنے کی آخر کیا ضرورت ہے؟

ہماری تحقیق کے مطابق حدیث وسنت میں فرق کا اختراعی نظریہ سب سے پہلے مرزا غلام احمد قادیانی نے پیش کیا۔ وہ اپنی کتاب ''کشتی نوح'' (ص ۵۶) میں لکھتا ہے: ''دوسرا طریقہ ہدایت کا جو مسلمانوں کو دیا گیا ہے سنت ہے یعنی آنحضرت ﷺ کی عملی کارروائیاں جو آپ ؐ[۱] نے قرآن شریف کے احکام کی تشریح کے لیے کر کے دکھلائیں۔ مثلاً

---

① سیدنا محمد ﷺ کے مبارک نام کے ساتھ پورا دُرود یعنی ''ﷺ'' لکھنا اصحاب الحدیث (محدثین) کا طریقہ ہے۔ دیکھئے مقدمہ ابن الصلاح (ص ۲۰۸) اختصار علوم الحدیث لابن کثیر (ص ۱۱۴۔۱۱۵) محاسن الاصطلاح للبلقینی (ص ۳۰۷) تدریب الراوی للسیوطی (ج ۲ص ۷۴) فتح المغیث للسخاوی (ج ۲ص ۱۷۹) وعام کتب المحدثین رحمہم اللہ اجمعین۔ صرف ''ص'' یا ''صلعم'' لکھنا ثقہ محدثین کا طریقہ نہیں ہے۔

قرآن شریف میں بظاہر نظر پنجگانہ نمازوں کی رکعات معلوم نہیں ہوتیں کہ صبح کس قدر اور دوسرے وقتوں میں کس کس تعداد پر۔ لیکن سنت نے سب کچھ کھول دیا ہے۔ یہ دھوکہ نہ لگے کہ سنت اور حدیث ایک چیز ہے۔ کیونکہ حدیث تو سوڈیڑھ سو برس کے بعد جمع کی گئی[1] مگر سنت کا قرآن شریف کے ساتھ ہی وجود تھا۔
مسلمانوں پر قرآن شریف کے بعد بڑا احسان سنت کا ہے...'' (روحانی خزائن طربوہ ج۱۹ ص ۶۱)

اور اسی کے حاشیہ پر لکھتا ہے:

''اہل حدیث فعلِ رسولؐ اور قولِ رسولؐ کا نام حدیث ہی رکھتے ہیں۔ ہمیں ان کی اصطلاح سے کچھ غرض نہیں۔ دراصل سنت الگ ہے جس کی اشاعت کا اہتمام خود آنحضرت نے بذاتِ خود فرمایا اور حدیث الگ ہے جو بعد میں جمع ہوئی۔''

بعینہ یہی نظریہ امین احسن اصلاحی کا ہے۔ اب ظاہر ہے کہ محدثین کی اصطلاحات سے تو ان کو کچھ غرض نہیں، مگر اپنی خواہشات واختراعات سے پوری غرض ہے۔

یعنی جو شخص ایک فن جانتا ہی نہیں اس فن میں اس کی خودساختہ اصطلاحات کو کس طرح تسلیم کیا جاسکتا ہے، جبکہ وہ اصطلاحات تمام اساتذۂ فن کے بھی خلاف ہوں؟ ع

ناطقہ سربگریباں ہے اسے کیا کہیے!

---

[1] یہ دعویٰ کہ احادیث سوڈیڑھ سو سال بعد جمع کی گئیں سفید جھوٹ ہے۔ بلکہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے حدیث میں کتابیں لکھی تھیں۔ سیدنا عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کا صحیفہ محدثین میں مشہور ہے۔ یہ کتاب ان کے پڑپوتے عمرو بن شعیب عن ابیہ عنہ کی شہرۂ آفاق سند کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے سن کر ان کے شاگرد ہمام بن منبہ رحمہ اللہ نے ایک کتاب ''الصحیفة الصحیحة'' لکھی۔ یہ کتاب اب برلن کے مخطوط سے چھپ چکی ہے۔ اسے ہمام نے ۵۹ھ سے پہلے سنا اور مدون کیا تھا۔ (دیکھئے الصحیفة الصحیحة/ مقدمہ ص ۱۲)
سیدنا جابر رضی اللہ عنہ کا صحیفہ امام حسن بصری تابعی رحمہ اللہ کے پاس لایا گیا تھا جسے انھوں نے لے (کر یاد کر) لیا تھا۔ دیکھئے جامع الترمذی (ج ۳ ص ۶۰۴) اسی طرح سیدنا سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ کا صحیفہ حسن بصری کے پاس تھا۔ (ترمذی وغیرہ)
مزید تحقیق کے لیے صحیح بخاری کتاب العلم، سنن دارمی مقدمہ، جامع بیان العلم وفضلہ لابن عبدالبر، تقیید العلم للخطیب وغیرہ کا مطالعہ فرمائیں۔ آپ پر منکرینِ حدیث کے دعویٰ کی حیثیت کھل جائے گی، ان شاء اللہ۔ صحیفہ ہمام بن منبہ ہی ان کے شکوک و شبہات کا ازالہ کرنے کے لیے کافی ہے۔

بنتِ زبیر علی زئی

حافظ زبیر علی زئی رحمہ اللہ

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

مشہور ہے کہ ایک عالم کی موت پورے عالَم کی موت ہے۔

میرے ابو (حافظ زبیر علی زئی رحمہ اللہ) کے خالقِ حقیقی سے ملنے سے عصرِ حاضر کے بہت سے لوگ علم کے بہتے چشمے سے فیض یاب ہونے سے محروم ہوگئے۔ وہ ایک عظیم عالم اور لاجواب محقق تھے۔ مگر ان سب کے ساتھ ساتھ وہ ایک عظیم باپ بھی تھے۔ ہمارے لئے اُن کی کمی بحیثیت استاد، عالم یا محقق ہی کی نہیں بلکہ ایک شفیق باپ کی بھی ہے اور ایک باپ کی اپنی اولاد سے لازوال محبت اور اولاد کی اپنے باپ سے بے مثال محبت کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں ہے۔

ایک باپ کے طور پر وہ کیسے تھے، سمجھنا اتنا مشکل نہیں۔ وہ بہت شفیق، حلیم اور بردبار والد تھے۔ انھیں بیٹیاں بہت پسند تھیں۔ اکثر کہا کرتے تھے کہ بیٹیاں ذہانت وفطانت، دینداری اور تقویٰ وپرہیزگاری میں بیٹوں کی نسبت ہمیشہ سبقت لے جاتی ہیں، یہی وجہ ہے کہ والد محترم ہم سے والہانہ محبت کرتے تھے اور تعلیم وتربیت میں بھی کوئی کسر نہ اٹھا رکھتے تھے۔ آپ کے پیشِ نظر ہمیشہ یہ حدیث مبارکہ ہوتی تھی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس آدمی کی تین بیٹیاں ہوں، پھر وہ ان پر صبر کرے، حسبِ توفیق انھیں کھلائے پلائے اور انھیں لباس مہیا کرے تو قیامت کے دن وہ بیٹیاں اس کے لئے جہنم سے رکاوٹ بن جائیں گی''۔

(سنن ابن ماجہ:۳۶۶۹، صحیح)

ایک حدیث میں ہے کہ وہ اسے جنت میں لے جائیں گی۔ (سنن ابن ماجہ:۳۶۷۰، صحیح)

ہم سے محبت کا یہ عالم تھا کہ جب کبھی ہم بہنیں کہیں جاتیں تو وہ گھر کے کئی چکر لگاتے اور ہماری واپسی تک انھیں قلبی اطمینان نہ ہوتا۔

ہماری کوئی جائز خواہش وتمنا ایسی نہیں تھی جسے پوری کرنے کی انھوں نے کوشش نہ کی ہو۔ مزاج بے حد سادہ تھا اور دنیاوی آسائشوں سے اُنھیں قطعاً رغبت نہیں تھی۔

اسلام کی خاطر جان دینے کو ہمہ وقت تیار رہتے تھے۔ اُن کا اوڑھنا، بچھونا، کھانا، پینا، اٹھنا بیٹھنا بہت سادہ اور عام سا تھا۔ نہ کھانے میں کوئی تنقید ونقص بینی نہ پہننے میں کوئی نخرہ۔ زیب وزینت سے دور کا بھی واسطہ نہ تھا۔ آپ کی ہر ادا سے دین وایمان سے محبت جھلکتی تھی۔ ع

میری زندگی کا مقصد تیرے دین کی سرفرازی
میں اسی لئے مسلماں میں اسی لئے نمازی

آپ نے اپنی زندگی کے لیل ونہار دین اسلام کی خدمت میں گزارے ہیں، بہت سے لوگ جانتے ہوں گے کہ آپ لائبریری میں بہت مصروف رہتے تھے لیکن ہم سے کبھی غافل نہیں رہے، ہماری ہر ضرورت پوری کرتے تھے اور دینی وشرعی اعتبار سے مکمل محاسبہ کرتے تھے۔ آپ کو مطالعہ اتنا مرغوب تھا کہ ہمارے نصاب کی کتابیں بھی پڑھ لیا کرتے تھے۔

ناشتہ بہت کم کرتے تھے، البتہ سردیوں میں اکثر وبیشتر ناشتہ کر لیا کرتے تھے اور ناشتے کے بعد دوبارہ لائبریری میں مصروف ہو جاتے تھے۔

ہم ابو جی کو روزمرہ ضرورت کی چیزوں کی لسٹ بنا کر دیا کرتے تھے جو کہ ہفتہ وار یا ماہ وار ہوتی تھی، اور اگر کوئی چیز رہ جاتی، سٹور میں نہ ملتی یا پھر کوئی اور وجہ ہوتی تو انھیں یاد رہتا تھا۔ ہزار ہا ذہنی کاموں کے باوجود وہ دوسرے دن خصوصاً کہا کرتے تھے کہ جو چیزیں رہ گئی ہیں اُن کی لسٹ بنا دو۔

جب بھی والد محترم تبلیغی دَورے سے واپس آتے تو ہمیں سر پر پیار کرتے۔ بچیوں کو دیکھتے ہی آپ کی ذہنی وجسمانی تھکن پل بھر میں دُور ہو جاتی تھی اور ایک شفقت بھری ملائم

مسکراہٹ ان کے لبوں کا احاطہ کر لیتی تھی۔

بسا آرزو کہ اُس روز جب وہ ''بے بس'' دوسروں کے کندھوں پر آئے، وہ دن ہماری زندگی کا واحد دن تھا۔ جب نہ وہ ہمیں دیکھ کر مسکرائے نہ پیار کیا۔ اُن کے کندھوں پر اس انداز میں سوتے ہوئے آئے جیسے ہر فرض سے سبکدوش ہو چکے ہوں۔ جیسے منزل پر پہنچ چکے ہوں۔ وہ تلخ حقیقت سے بھرپور غیر یقینی دن ہماری زندگی کا واحد دن تھا جب بجائے اس کے کہ وہ ہمیں پیار کرتے ہم نے انھیں ماتھے پر پیار کیا۔

میرے ایف۔اے کے نتیجے کا انھیں شدت سے انتظار تھا۔ وہ کئی مرتبہ مجھ سے پوچھ چکے تھے اور ہر مرتبہ سالانہ رزلٹ کے بعد فخریہ طور پر میرے سر پر ہاتھ رکھ کر کہا کرتے تھے ''یہ مجھ پر گئی ہے''۔ اور ہر سال میرے پاس ہونے پر خود بازار سے مٹھائی لاتے۔ مگر صد افسوس! میرا رزلٹ اس وقت آیا جب آپ شفاء انٹرنیشنل ہسپتال میں زیرِ علاج تھے۔ بیماری کی شدت کے باوجود کئی بار میرا جی چاہا انھیں پاس ہونے کی خوشخبری سناؤں مگر کیسے؟ وہ تو اُس آزمائش سے گزر رہے تھے جن سے اللہ رب العزت نے اپنے بہت سے برگزیدہ بندوں کو گزارا۔ ہماری دینی تعلیم وتربیت کے لئے محترمہ ام خالد حفظہا اللہ کامرہ سے تشریف لایا کرتی تھیں، پھر والد محترم کی زندگی کے آخری ایام میں ہمارے ہاں باقاعدہ جامعہ عائشہ للبنات کا آغاز ہوا جہاں ہماری تعلیم وتربیت کا سلسلہ احسن انداز میں جاری ہے۔

''نقاد'' ہزارہا تنقید کریں مگر یہ بات ہر اِک کی زبان پر ہے کہ ''وہ ایک سچے، کھرے اور بے غرض انسان تھے، چغلی، جھوٹ اور غیبت سے قطعی پاک تھے''۔ اگر کوئی فطری خامی رکھتے بھی تو ان کے پاس فضول وقت ہی نہیں تھا۔

بہت حساس طبیعت کے مالک تھے۔ ہمارا چھوٹا سا درد انھیں بے چین کر دیتا تھا۔ اگر کسی بچے/بچی کی اُنگلی بھی زخمی ہو جاتی تو وہ دیکھ نہیں پاتے تھے اور اب...... اب اتنا بڑا غم دے گئے جسے برداشت کرنے کا حوصلہ ہے نہ ہمت وطاقت ہی ہے۔

دل کو حقیقت سے روشناس کروانے کے باوجود کئی بار ہماری منتظر نگاہیں اُن کی

لائبریری کے دروازے کی طرف اُٹھ جاتی ہیں کہ شاید ابھی آئیں گے، مگر افسوس، نگاہیں خالی لوٹ آتی ہیں۔ وہ نہ ہوتے ہوئے بھی ہر پل، ہر لمحہ ہمارے ساتھ ہیں، اپنی سنہری اور اُجلی یادوں کے ساتھ۔ ایک مرتبہ جب مجھے سر درد ہو رہا تھا تو میں نے چشمہ لگا لیا۔ اتفاقاً اسی دن ابو جی کی تبلیغی دورے سے واپسی ہوئی، آپ گھر میں داخل ہوئے اور میرا چشمہ دیکھ کر بڑے پریشان ہوئے۔ پتا نہیں کتنی دیر افسوس سے میرے چشمے کی طرف دیکھتے رہے، پھر اُسی دن شام کو بازار گئے اور ڈھیر ساری سونف وغیرہ لے آئے اور مجھے سختی سے تلقین کی کہ میں روزانہ کھایا کروں تاکہ نظر مزید کمزور نہ ہو اور اب اکثر اپنا چشمہ ہاتھوں میں پکڑ کر سوچتی ہی رہ جاتی ہوں کہ...... ہماری خلوص بھری دعائیں ہمیشہ والد محترم کے ساتھ رہیں گی اور ہم ان کے لئے صدقہ جاریہ بننے کی پوری کوشش کریں گی۔ (ان شاء اللہ)

اور آخر میں ان تمام حضرات کا شکریہ جو ہماری ڈھال بنے رہے اور جنھوں نے خلوصِ دل سے ابو جی کے لئے دعائیں کیں۔ اللہ تعالیٰ آپ سب کو والد محترم کے منہج پر قائم ودائم رکھے اور آپ کے شاگردوں کو آپ کے لئے صدقہ جاریہ بنا دے۔ آمین

سب سے پہلے دعوتِ توحید

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یمن بھیجا تو انھیں فرمایا: ''تم اہل کتاب میں سے ایک قوم کے پاس جا رہے ہو، لہٰذا سب سے پہلے انھیں اس بات کی دعوت دینا کہ وہ اللہ کو ایک مانیں یعنی توحید کا اقرار کرلیں، جب وہ اس عقیدۂ توحید کو سمجھ جائیں تو پھر انھیں بتانا کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر ایک دن رات میں پانچ نمازیں فرض کی ہیں۔ جب وہ نماز پڑھنے لگیں تو انھیں بتاؤ کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے اموال میں ان پر زکوٰۃ فرض کی ہے جو ان کے امیروں سے وصول کی جائے گی۔ جب وہ اس کا بھی اقرار کرلیں تو ان سے زکوٰۃ وصول کرنا لیکن زکوٰۃ وصول کرتے وقت لوگوں کے عمدہ مال لینے سے اجتناب کرنا۔''

(صحیح بخاری: ۷۳۷۲)

محمد زبیر صادق آبادی

مولانا ارشاد الحق اثری حفظہ اللہ اور مسئلہ فاتحہ خلف الامام

بعض لوگ مولانا ارشاد الحق اثری حفظہ اللہ کی ایک عبارت سے یہ مغالطہ دیتے ہیں کہ وہ مقتدی پر فاتحہ فرض نہیں سمجھتے۔ان کی عبارت کا مطلب اسی طرح سمجھیں جس طرح دیوبندیوں اور بریلویوں کے نزدیک بھی قبلہ کی طرف منہ کرنا فرض ہے لیکن اگر کسی کو قبلہ کی سَمت کا پتا ہی نہ چلے اور وہ حتی الامکان تحقیق کرے، پھر جس طرف بھی منہ کر کے نماز پڑھے گا تو اس کی نماز ہو جائے گی، جیسا کہ ہدایہ میں لکھا ہے: '' پھر اگر مصلی پر قبلہ مشتبہ ہو جائے اور حال یہ ہو کہ کوئی موجود بھی نہیں جس سے قبلہ کا رخ پوچھے تو اجتہاد کرے''

(ہدایہ مع اشرف الہدایہ ص ۳۹۶ ج ۱، نیز دیکھئے تجلیات صفدر ص ۲۹۳ ج ۱، ۱۳۱ ج ۶، انوارات صفدر ص ۱۱۱ ج ۱)

اوکاڑوی وغیرہ کی عبارات کے مطابق ایسی صورت میں نمازی جس طرف بھی منہ کر کے نماز پڑھے گا اس کی نماز ہو جائے گی۔

ایک مشہور وصحیح حدیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

'' لَا صَلٰوۃَ لِمَنْ لَمْ یَقْرَأْ بِفَاتِحَۃِ الْکِتَابِ ''

جو شخص سورۃ الفاتحہ نہیں پڑھتا اُس کی نماز نہیں ہوتی۔ (صحیح بخاری:۷۵۶)

اس حدیث کی شرح میں عینی حنفی نے لکھا ہے کہ '' اسْتَدَلَّ بِھٰذَا الْحَدِیْثِ عَبْدُاللّٰہِ بْنُ الْمُبَارِکِ وَ الْأَوْزَاعِيُّ وَ مَالِكٌ وَ الشَّافِعِيُّ وَ أَحْمَدُ وَ إِسْحَاقُ وَ أَبُوْ ثَوْرٍ وَ دَاوٗدُ عَلٰی وُجُوْبِ قِرَاءَۃِ الْفَاتِحَۃِ خَلْفَ الْإِمَامِ فِي جَمِیْعِ الصَّلَوَاتِ ''

اس حدیث سے عبداللہ بن مبارک، اوزاعی، مالک، شافعی، احمد، اسحاق، ابوثور اور داود نے تمام نمازوں میں فاتحہ خلف الامام کے وجوب پر استدلال کیا ہے۔

(عمدۃ القاری ۶/۱۰ تحت ح ۷۵۶)

نبی ﷺ سے یہ حدیث سننے والے صحابی یعنی راویٔ حدیث سیدنا عبادہ بن الصامت

رضی اللہ عنہ نے امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ پڑھی اور (بعد میں) فرمایا: اس کے بغیر نماز نہیں ہوتی۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ۱/ ۳۷۵ ح ۳۷۷۰ ملخصاً وسندہ صحیح)

محمد تقی عثمانی دیوبندی نے کہا: ”رہا دوسرا طریق سو وہ بھی صحیح ہے لیکن اس سے بھی شافعیہ وغیرہ کے مذہب پر کوئی صریح دلیل مرفوع قائم نہیں ہوتی کیونکہ وہ حضرت عبادہؓ کا اپنا اجتہاد ہے، یعنی انھوں نے ”لاصلوٰۃ لمن لم یقرأ“ والی حدیث کو امام اور مقتدی دونوں کے لئے عام سمجھا اور اس سے یہ حکم مستنبط کیا کہ مقتدی پر بھی قراءۃ فاتحہ واجب ہے لیکن ان کا یہ استنباط احادیثِ مرفوعہ کے مقابلے میں حجت نہیں ہوسکتا۔“ الخ (درس ترمذی ۲/ ۷۵)

مخالفین کا اقرار

۱: فقیر اللہ دیوبندی نے لکھا ہے: ”جبکہ توضیح الکلام کا موقف یہ ہے کہ فاتحہ خلف الامام واجب ہے اور ہر حال میں واجب ہے اور نہ پڑھنے والے کی نماز ہوتی ہی نہیں۔“

(خاتمۃ الکلام ص ۴۷، نیز دیکھئے ص ۵۱)

۲: امین اوکاڑوی نے لکھا ہے: ”مگر اثری صاحب نے پورا زور لگا دیا کہ بخاری کی اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ جو مقتدی امام کے پیچھے خود فاتحہ نہ پڑھے اس کی نماز نہیں ہوتی۔“ (تجلیات صفدر ص ۹۸ ج ۷)

اس تمہید کے بعد بعض علمائے اہلِ حدیث و محدثین کے حوالے ملاحظہ فرمائیں:

۱) مولانا ارشاد الحق اثری حفظہ اللہ

مولانا ارشاد الحق اثری حفظہ اللہ نے لکھا ہے: ”مقتدی کے لیے بھی فاتحہ پڑھنا فرض ہے۔“

(توضیح الکلام ص ۵۱ ج ۱، نسخہ جدیدہ ص ۷۷)

دوسری جگہ لکھا ہے: ”حصہ اول میں ہم قرآن پاک اور احادیث صحیحہ سے یہ ثابت کر آئے ہیں کہ سورہ فاتحہ کے بغیر نماز نہیں ہوتی اور یہ حکم اکیلے نمازی امام اور منفرد سب کو شامل ہے۔“ (توضیح الکلام ص ۳۷۷ ج ۲، نسخہ جدیدہ ص ۵۱۳)

۲) مولانا حافظ محمد گوندلوی رحمہ اللہ

مولانا حافظ محمد گوندلوی رحمہ اللہ نے لکھا ہے: ''پس کتاب وسنت کی روشنی میں یہ بات پایا ثبوت کو پہنچ چکی ہے۔ کہ امام کے پیچھے فاتحہ پڑھنا فرض ہے۔''

(خیر الکلام فی وجوب فاتحہ خلف الامام ص ۲۴۹)

سرفراز صفدر نے لکھا ہے: ''مؤلف خیر الکلام نے بزعم خود چند دلائل پیش کیے ہیں پھر لکھتے ہیں: لہذا فاتحہ ہر نمازی پر خواہ امام ہو یا منفرد یا مقتدی فرض ہوگی،'' ص ۵۱۲)''

(احسن الکلام ص ۵۵ ج ۱، دوسرا نسخہ ص ۳۵)

تنبیہ: حافظ محمد گوندلوی رحمہ اللہ کے نزدیک فرض و واجب ایک ہی چیز ہے۔

(دیکھئے خیر الکلام فی وجوب فاتحہ خلف الامام ص ۱۰۹)

۳) دیگر علمائے اہل حدیث کے حوالے

سرفراز صفدر دیوبندی نے بہت سے علمائے اہل حدیث کے حوالے نقل کر دیے ہیں جن کے نزدیک مقتدی کی نماز سورہ فاتحہ کے بغیر نہیں ہوتی۔ (تفصیل کیلئے دیکھئے احسن الکلام ص ۵۹۹ تا ۶۰۰)

٤) امام شافعی رحمہ اللہ

آل دیوبند کے ''امام'' عبدالشکور فاروقی نے لکھا ہے: ''امام شافعیؒ سے صحیح روایت میں منقول ہے کہ مقتدیوں پر سورہ فاتحہ کا پڑھنا فرض ہے۔ خواہ بلند آواز کی نماز ہو یا آہستہ کی اور یہی امام احمد کا بھی مذہب ہے۔'' (علم الفقہ طبع جدید ص ۲۰۲)

آل دیوبند کے ''محدث'' سعید احمد پالنپوری نے لکھا ہے: ''امام شافعیؒ کا... جدید (نیا) قول یہ فرمایا کہ جہری نماز میں بھی مقتدی پر فاتحہ پڑھنا واجب ہے، اور شوافع کے یہاں فتوی اسی جدید قول پر ہے،'' (تسہیل ادلہ کاملہ ص ۶۳)

آل دیوبند کے مفتی محمد یوسف لدھیانوی نے لکھا ہے: ''فاتحہ خلف الامام مشہور اختلافی مسئلہ ہے۔ امام شافعیؒ اس کو ضروری قرار دیتے ہیں اور اہل حدیث حضرات کا اسی پر عمل ہے۔'' (اختلاف امت اور صراط مستقیم ص ۲۰۷ ج ۲)

نیز دیکھئے فتاوی دارالعلوم دیوبند ص۱۸۳ ج۱، دوسرا نسخہ ص۲۰۱، نیز ص۳۳۷ ج۲، دوسرا نسخہ ۳۸۴

۵) امام بخاری رحمہ اللہ

امام بخاری رحمہ اللہ نے فرمایا: ''تمام نمازوں میں، چاہے جہری ہوں یا سری، قراءت واجب ہونے کا باب'' (صحیح بخاری قبل ح ۷۵۵)

امام بخاری نے فاتحہ خلف الامام کے بارے میں ایک کتاب بھی لکھی ہے جو کہ مطبوع ومشہور ہے، نیز آل دیوبند کے ''محدث'' سعید احمد پالنپوری نے لکھا ہے: ''امام بخاریؒ اپنی صحیح میں فرماتے ہیں عام حدیث مقتدی کو شامل ہے'' (تسہیل ادلہ کاملہ ص ۶۶)

۶) علامہ نووی رحمہ اللہ

سعید احمد پالنپوری نے لکھا ہے: ''اور امام نووی فرماتے ہیں کہ ہم ذکر کر چکے ہیں کہ ہمارا مذہب یہ ہے مقتدی پر فاتحہ پڑھنا واجب ہے سری اور جہری نمازوں کی تمام رکعتوں میں، یہی ہمارے نزدیک صحیح مذہب ہے۔ المجموع ص ۳۹۵ ج ۳'' (تسہیل ادلہ کاملہ ص ۶۳)

۷) امام بیہقی رحمہ اللہ

امام بیہقی نے فرمایا: '' ثم فیما روینا دلیل علٰی وجوب القراء ة علٰی کل مصل إمامًا کان أو مأمومًا أو منفردًا . ''

پھر جو روایات ہم تک پہنچی ہیں اُن میں ہر نمازی پر قراءت واجب ہونے کی دلیل ہے، چاہے امام ہو یا مقتدی یا اکیلا نمازی۔ (کتاب القراءت خلف الامام ص ۱۶ تحت ح ۸)

ایک حدیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

'' لَا صَلٰوةَ لِمَنْ لَمْ یَقْرَأْ بِفَاتِحَةِ الْکِتَابِ خَلْفَ الْإِمَامِ '' جو شخص امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ نہیں پڑھتا اُس کی نماز نہیں ہوتی۔

یہ حدیث بیان کرنے کے بعد امام بیہقی نے فرمایا: '' وَ هٰذَا إِسْنَادٌ صَحِیْحٌ '' اور یہ سند صحیح ہے۔ (کتاب القراءت خلف الامام ص ۷۰ ح ۱۳۵)

نوید شوکت (ڈربی، برطانیہ)

''ڈاکٹر'' اشرف آصف جلالی (بریلوی) اور جھوٹی روایت

الحمد للّٰہ ربّ العالمین والصّلوٰۃ والسّلام علٰی رسولہ الأمین ، أما بعد:

ڈاکٹر اشرف آصف جلالی صاحب جوکہ بریلوی مکتبۂ فکر سے تعلق رکھتے ہیں، انھوں نے قبروں پر عمارتیں بنانے کے جواز میں ایک روایت ابن شبہ کی کتاب تاریخ المدینہ سے پیش کی ہے کہ ''یزید بن سائب کہتے ہیں: مجھے میرے دادا نے خبر دی کہ جب عقیل بن ابی طالب نے اپنے گھر میں کنواں کھودا تو نیچے سے ایک نقش ونگار والا پتھر نکلا جس پر لکھا ہوا تھا: ام حبیبہ بنت صخر بن حرب کی قبر۔

تو عقیل نے کنویں کو بند کر دیا اور اس پر ایک عمارت بنائی۔ یزید بن سائب کہتے ہیں کہ میں اس عمارت میں داخل ہوا، پس میں نے اس (کمرے) میں قبر کو دیکھا۔''

یہ واقعہ بیان کر کے ڈاکٹر صاحب نے کہا: ''اس سے پتا چلتا ہے کہ اہلسنت اپنی طرف سے مسلک گھڑنے والے نہیں بلکہ یہ دور صحابہ کی بات ہے اور یہ فعل صحابی ہے۔''

تو آیئے اس روایت کی حقیقت کیا ہے؟ تاریخ المدینہ میں اس کی سند اس طرح ہے:

''حَدَّثَنا مُحَمَّدُ بْنُ یَحْیَی قَالَ :أَخْبَرَنِي عَبْدُ الْعَزِیزِ بْنُ عِمْرَانَ عَنْ یَزِیْدَ بْنِ السَّائِبِ قَالَ:أَخْبَرَنِي جَدِّي.'' (۱/۱۲۰)

اس سند میں ایک راوی عبدالعزیز بن عمران ہے جو کہ متروک ہے۔

۱: امام بخاری نے فرمایا: **''مُنْکَرُ الْحَدِیْثِ، لَا یُکْتَبُ حَدِیْثُہٗ''**

(کتاب الضعفاء: ۲۲۵، التاریخ الکبیر للبخاری ۶/ ۲۹)

۲: امام دارقطنی نے فرمایا: **''ضَعِیْفٌ''** (تحت حدیث ۴۱۵۸، کتاب الضعفاء والمتروکین: ۳۴۹)

۳: امام عبدالرحمٰن بن ابی حاتم الرازی کہتے ہیں: میں نے اپنے والد سے اس کے بارے میں پوچھا: انھوں نے فرمایا: **''مَتْرُوْکُ الْحَدِیْثِ، ضَعِیْفُ الْحَدِیْثِ، مُنْکَرُ**

الْحَدِیْثِ جِدًّا.''إلخ (کتاب الجرح والتعدیل ۵/۳۹۱ ت ۱۸۱۷)

۴: ابوزرعہ الرازی نے اس کی روایات کو ترک کردیا تھا۔ (الجرح والتعدیل ایضاً)

۵: امام یحییٰ بن معین نے فرمایا:'' لَیْسَ بِثِقَةٍ .'' (ایضاً)

۶: امام عقیلی نے فرمایا:'' حَدِیْثُهُ غَیْرُ مَحْفُوْظٍ.''اس کی حدیثیں غیر محفوظ ہیں۔

(الضعفاء الکبیر ۳/۱۳۱، ترجمہ:۹۶۹)

۷: امام ترمذی نے فرمایا:'' ضَعِیْفٌ فِی الْحَدِیْثِ .''حدیث میں ضعیف ہے۔

(ترمذی تحت حدیث:۸۷۰)

۸: حافظ ابن حبان نے فرمایا:'' یَرْوِی الْمَنَاکِیْرَ عَنِ الْمَشَاهِیْرِ''

مشہور راویوں سے منکر روایتیں بیان کرتا ہے۔ (کتاب المجروحین ج ۲ ص ۱۳۹، دوسرا نسخہ ۲/۱۲۲)

۹: امام نسائی نے فرمایا:'' مَتْرُوْكُ الْحَدِیْثِ .'' (الضعفاء والمتروکین:۳۹۳)

۱۰: حافظ ذہبی نے فرمایا:'' تَرَکُوْهُ'' محدثین نے اس کو ترک کردیا تھا۔

(المغنی فی الضعفاء ۲/۶۲۲ ت ۳۷۴۷)

۱۱: ابن الجوزی نے الضعفاء والمتروکین میں اسے نقل کیا۔ (ج ۱ ص ۱۱۱ ت ۱۹۵۷)

اس روایت میں عبدالعزیز بن عمران کا استاد یزید بن سائب نامعلوم یعنی مجہول ہے اور اس سے یزید بن سائب رضی اللہ عنہ صحابی ہرگز مراد نہیں کیونکہ ابن عمران کی ان سے ملاقات ناممکن ہے۔

یہ ہے وہ جھوٹی روایت جس کو ڈاکٹر صاحب نے قبروں پر گنبد اور عمارتیں بنانے کے جواز میں پیش کیا ہے اور عوام کو دھوکا دیا ہے۔ ڈاکٹر صاحب کو چاہیے کہ اس روایت کو صحیح ثابت کریں یا پھر اللہ تعالیٰ سے معافی مانگیں اور اس طرح کی جھوٹی روایات کو بیان کر کے لوگوں کو گمراہ نہ کریں کیونکہ جھوٹی روایات کو بغیر جرح کے بیان کرنا جائز نہیں، چہ جائیکہ ان سے استدلال اور مسائل اخذ کیے جائیں!!

اللہ تعالیٰ ہم سب کو صحیح روایات بیان کرنے اور ان پر عمل پیرا ہونے، ضعیف اور مردود روایات سے بچنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین (۳۱/ جولائی ۲۰۱۳ء)

ابوالحسن انبالوی

لو آپ اپنے دام میں صیاد آ گیا

☆ ماسٹر امین اوکاڑوی لکھتا ہے: ''انعامی چیلنج: مرزا قادیانی اس پر فریب طریق کا بانی ہے کہ کچھ خود ساختہ شرطیں لگا کر سوال بنایا اور موافق شرائط جواب دینے پر انعام کا وعدہ کر لیا۔ غیر مقلدین نے بھی مرزا جی کی تقلید شخصی میں اس انداز کو اپنایا ہے''

(تحقیق مسئلہ رفع یدین ص ۲۲)

قارئین کرام! ماسٹر صاحب اس سے متصل اگلے صفحے (۲۳) پر لکھتے ہیں:

''اگر کوئی غیر مقلد ہمت اور جرأت کر کے صرف ایک، صرف ایک اور صرف ایک ہی قولی حدیث پیش کر دے۔ جس میں اُن کا مدعیٰ بطور نص موجود ہو یعنی پہلی اور تیسری رکعت کے شروع میں رفع یدین کا حکم ہو اور دوسری اور چوتھی رکعت کے شروع میں رفع یدین سے منع کیا ہو اسی طرح رکوع کا حکم ہو اور دوسری اور چوتھی رکعت کے شروع میں رفع یدین سے منع کیا ہو اسی طرح رکوع کے شروع و آخر میں رفع یدین کا حکم ہو اور سجدہ کے شروع و آخر میں رفع یدین سے منع فرمایا ہو تو **ہم مبلغ دس ہزار روپیہ انعام دیں گے**''

معلوم ہوتا ہے کہ آل دیوبند نے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی تقلید کو خیر باد کہہ کر اپنے ''مرزا جی'' سے دل لگا لیا ہے۔

آہ! شرم تم کو مگر نہیں آتی

☆ آلِ دیوبند کے ''امام المحدثین'' سلیم اللہ خان صاحب لکھتے ہیں: ''ایک غیر مقلد آج ایک رائے رکھتا ہے کل دوسری'' (تناقضات... ص ۱۲)

اشرف علی تھانوی دیوبندی نے کہا: ''امام اعظم ابوحنیفہ کا غیر مقلد ہونا یقینی ہے۔''

(مجالس حکیم الامت ص ۳۴۵، ملفوظات حکیم الامت ۲۴/ ۳۳۲)

امام ابوحنیفہ کے غیر مقلد ہونے کے ثبوت کے لیے مزید دیکھئے معین الفقہ (ص ۸۸)

اور حاشیہ الطحطاوی علی الدر المختار (۵۱/۱)

امام ابوحنیفہ (غیر مقلد) نے اپنے شاگرد قاضی ابو یوسف سے فرمایا:

''میری ہر بات نہ لکھا کر، میری آج ایک رائے ہوتی ہے اور کل بدل جاتی ہے۔کل دوسری رائے ہوتی ہے تو پھر پرسوں وہ بھی بدل جاتی ہے۔''

(تاریخ یحییٰ بن معین، روایۃ الدوری ۲/ ۶۰۷ ت ۲۴۶۱ وسندہ صحیح، نیز دیکھئے دین میں تقلید کا مسئلہ ص ۱۰۹)

ع جس میں برہمن کا گھر ڈوبا اس ساون کو آگ لگا دو

☆ خادم حسین شجاع آبادی دیوبندی نے کہا: ''اذان اور دیگر ضروریاتِ دین پر اُجرت لینا امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی اصل روایت کے مطابق جائز نہیں لیکن ......ان حالات میں اس نظام کو چلانے کے لئے واجب ہے کہ تنخواہ لی جائے اور نظام کو قائم رکھا جائے۔''

(فضل الودود تقریر سنن ابی داود ص ۲۲۳)

کبھی امام ابوحنیفہ کی تقلید واجب...تو کبھی امام ابوحنیفہ کی مخالفت واجب!!

ع جو چاہے آپ حسن کرشمہ ساز کرے

شجاع آبادی نے مزید کہا: ''ہمارے استاد قاری رحیم بخش (استاذ جامعہ اشرفیہ) نے واقعہ سنایا کہ ایک دفعہ غیر مقلدین کے شیخ مولانا عبد القادر روپڑی جامعہ اشرفیہ آئے، حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمہ اللہ سے دیر تک بات ہوتی رہی ، اس نے موقعہ پا کر حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کے تذکرے میں کہہ دیا ''وہ تو غیر مقلد تھے۔'' حضرت کاندھلویؒ پہلے لیٹے ہوئے تھے، سیدھے ہو کر بیٹھ گئے اور فرمایا ہم نے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی خاطر امام مالکؒ، امام شافعیؒ، امام احمدؒ کو چھوڑا ہے تُو ایک دہلی کے مولوی کو لے کر ہم پر اعتراض کرتا ہے؟'' (فضل الودود ص ۱۷۸)

تقلید کی خاطر شاہ ولی اللہ کو چھوڑا، اور تنخواہ کی خاطر امام ابوحنیفہ کو بھی چھوڑ دیا ہے۔

واضح رہے کہ شجاع آبادی ہی نے کہا: ''حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ محدث دہلوی پکے حنفی تھے، مقلد تھے۔'' (حوالہ مذکورہ)

حافظ ندیم ظہیر

مرعوبیت

دورِ جدید کے مسلمان اغیار و کفار سے اس قدر مرعوب ہو چکے ہیں کہ بیہودہ، مُضر اور دھتکاری ہوئی اُن رسوم و رواج کو بھی گلے لگانے سے دریغ نہیں کرتے جنھیں خود غیر مسلم معاشروں میں اچھی نظر سے نہیں دیکھا جاتا۔ ہمارے ہاں بسنت جسے اب جشنِ بہاراں کا نام دے دیا گیا ہے اور اپریل فول جیسے مہلک رواج بڑی تیزی سے عام ہو رہے ہیں۔

اپریل فول کے غلط ہونے کے لئے یہی کافی ہے کہ اس کی بنیاد جھوٹ پر مبنی ہے اور جھوٹ ایک ناسور ہے جو کہ برائیوں کی جڑ ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: گزشتہ رات میرے پاس خواب میں دو آدمی آئے، انھوں نے کہا: جس شخص کو آپ نے دیکھا کہ اس کا جبڑا چیرا جا رہا ہے، وہ بہت جھوٹا تھا، ایک جھوٹی بات کہتا تو وہ سارے ملک میں پھیل جاتی۔ قیامت تک اسے یہی سزا ملتی رہے گی۔ (صحیح بخاری: ۶۰۹۶)

جھوٹ کو منافقین کی علامت بھی کہا گیا ہے۔ (دیکھئے صحیح بخاری: ۲۴۵۹)

اپریل فول جیسے امور کی شریعت اسلامیہ میں کوئی گنجائش نہیں ہے بلکہ یہ صریح اور واضح طور پر کفار کی رسم ہے، لہٰذا اس سے اجتناب ضروری ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

جس نے جس قوم کی مشابہت اختیار کی وہ انھی میں سے ہے۔ (سنن ابی داود: ۴۰۳۱، حسن)

اس کے علاوہ اپریل فول جیسی حرکت سے دوسرے مسلمان ایذاء و تکلیف سے دوچار ہوتے ہیں جو کسی مسلمان کے لائق نہیں ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ ہوں۔ (صحیح بخاری: ۱۰، صحیح مسلم: ۶۶)

اسی طرح بسنت ہندوانہ رسم ہے جو عیاشی کا ایک ذریعہ ہے۔ اس میں مرد و عورت کا اختلاط عام ہوتا ہے۔ اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت ڈنکے کی چوٹ پر ہوتی ہے، لہٰذا اپنے آپ کو اور اپنے اہل و عیال کو ایسے شنیع و قبیح فعل سے بچا کر رکھیں۔ وما علینا إلا البلاغ